امام ابوحنیفہؒ

کی

تدوینِ قانونِ اسلامی

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

اردو اکیڈمی سندھ کراچی

امام ابوحنیفہؒ

کی

تدوینِ قانونِ اسلامی

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ایم اے، ایل ایل۔ بی، ڈی فل (جرمنی)، ڈی لٹ (پیرس) وغیرہ

(سابق پروفیسر قانون، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)

ستمر اڈیشن

اردو اکیڈمی سندھ کراچی

اصل اردو اڈیشن		ترکی ترجمہ	انگریزی خلاصہ
حیدرآباد دکن	پاکستان	از زکی کمال توشیجو	از مؤلف
طبع اول ١٣٦١ھ / ١٩٤٢ء	ایک بار بلا اجازت چھپنے کی افواہ سنی، تفصیل معلوم نہ ہو سکی	استانبول ١٣٨٣ھ / ١٩٦٣ء	طبع اول استانبول ١٩٥٠ء تا ١٩٥٥ء
طبع چہارم با اضافہ ١٣٧٦ھ / ١٩٥٧ء	— " —		طبع دوم ووکنگ ١٩٥٦ء
طبع پنجم با اضافہ ١٣٨٥ھ / ١٩٦٥ء	طبع ششم با اضافہ کراچی ١٤٠٣ھ / ١٩٨٣ء		

کتابت ——— منشی محمد رفیق

طابع ——— علاء الدین خالد

مطبع ——— باب الاسلام پرنٹنگ پریس کراچی

فہرست مضامین

مصنف کی دوسری تصانیف

- عہد نبوی میں نظام حکمرانی
- رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی
- خطبات بہاولپور
- اسلام کا نظام حکومت (زیر طبع)

سابقہ ایڈیشن کا

حرفِ آغاز

کم و بیش سولہ سال گذر چکے۔ بتاریخ ۱۶ر شوال سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۶ر نومبر سنہ ۱۹۴۱ء حیدرآباد دکن میں ایک عظیم الشان علمی ہفتہ "حیدرآباد اکاڈمی" کی جانب سے منایا گیا۔ ہز ہائی نس پرنس آف برار نواب اعظم جاہ بہادر نے اس کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ دینیات اور کلیہ قانون کے نامور پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ایک معلومات افزا مقالہ پڑھا جس کا عنوان تھا "امام ابو حنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی" یہ مقالہ اولاً مجموعہ مقالات علمیہ نمبر ۴ بابتہ سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق سنہ ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا اور بعد میں کتابی شکل اختیار کی۔ علمی اور قانونی دنیا میں یہ بہت مقبول ہوا۔ اس کے بعد ایک عرصہ سے یہ ناپید رہا۔ مگر اس کی طلب برابر جاری رہی۔ پھر حمید الدین صاحب حسامی نے اپنے ماہ نامہ رسالہ حسامی میں قسط وار شائع کیا۔ چوتھی دفعہ اسلامک پبلیکیشنز سوسائٹی اس کو شائع کر رہی ہے۔ سوسائٹی کی خواہش پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس پر نظر ثانی کر کے بہت کچھ اضافہ بھی فرمایا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ پر مولانا شبلی نعمانیؒ نے ایک معلومات آفریں کتاب "سیرۃ النعمان" لکھی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک سابق صدر شعبہ دینیات

مفتی عبداللطیف صاحب نے بھی "تذکرۂ اعظم" کے نام سے ایک اچھی کتاب شائع کی ہے۔ سب سے بڑھ کر درجہ ہماری سوسائٹی کی مجلس مشاورت کے رکن اور عثمانیہ یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ دینیات مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی کی کتاب "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" کو حاصل ہے یہ محققانہ کتاب ہندوستان اور پاکستان کے گوشہ گوشہ میں مقبول رہی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی زیر نظر کتاب بظاہر ایک چھوٹی حجم والی ہے لیکن تحقیق و تدقیق کے نقطہ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ قابل مصنف کا مطالعہ یورپی قانون، یوروپی دستور اور قانون بین الممالک پر ماہرانہ نوعیت رکھتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ موصوف اسلامی قانون اور اصول قانون کے ماہرین میں سے بھی ہیں۔ اس دلچسپ سنگم نے کتاب کی قدر و افادیت میں بہت اضافہ کر دیا ہے۔

ہماری سوسائٹی کا پروگرام اسلامی قانون و حدیث و آثار کے تعلق سے مرتب ہو چکا ہے۔ موطا امام مالک کا انگریزی ترجمہ اور دوسری جانب مصنف عبدالرزاق کی چار ضخیم جلدیں شائع ہو رہی ہیں آخر الذکر میں جا بجا خلفائے راشدین کے فیصلے ملیں گے جو اس تصنیف کو بہت دلچسپ کر دیتے ہیں نیز ہماری سوسائٹی نے اسلامی قانون کی ایک مستند کتاب "ہدایہ" کے انگریزی ترجمہ از ہملٹن کی دوبارہ اشاعت کا منصوبہ بھی تیار کیا ہے۔ یہ کتاب گزشتہ صدی میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی اور اب تقریباً نا پید ہے۔

اسلامی قانون کی خوبیوں کا دنیا کو غالباً ابھی ٹھیک اندازہ نہیں ہوا ہے۔ بڑی ذمہ داری مسلم علماء پر ہے انھوں نے اسلام کے مختلف پہلوؤں کو جس طرح دنیا پر روشن کرنا چاہیے تھا تا حال نہیں کیا اور جو کچھ کیا گیا وہ

مقابلۃً صفر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح روما نے یونان پر فوجی نقطہ نظر سے فتح حاصل کی اور ادبی نقطۂ نظر سے مفتوح بن گیا بعینہ اسلامی قانون اور اسلامی دستور کو غیر مسلموں نے توڑ پھوڑ کر اس کی خوبیوں کو پوشیدہ رکھ کر مطعون کیا۔ لیکن حق کا کسی نہ کسی طرح واضح ہونا قانون قدرت ہے اور آج حقیقت میں آنکھ دیکھ کر حیرت کر رہے ہیں کہ کسی طرح متمدن ملک کے قوانین کا ماخذ بھی اسلامی قانون اور یہی اسلامی شریعت۔ بن رہے ہیں۔ تمدن و ثقافت معیشت اور معاشرہ میں جو اصلاحات ہو رہی ہیں وہ اکثر و بیشتر اسلام کی رہین منت ہیں۔

ایک چھوٹی مثال لیجئے: غیر مسلم ذمیوں کے حقوق کے تحفظ کو اسلامی حالک نظری اور عملی ہر دو پہلو سے اپنا فریضہ سمجھتے تھے اور ہیں۔ ذمیوں کو اسلامی قانون کے تحت یہ آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنے مذہب اور قانون کے مطابق تصفیہ کریں، امام ماوردی کی مشہور کتاب الاحکام السلطانیہ کا ایک اقتباس ہے۔

"ذمی اپنے حقوق کا مقدمہ اپنے حاکم کے پاس لیجانے سے روکے نہ جائیں[1]"

خود ہند میں اسلامی عہد کی تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں کا دور دورہ رہا، ہندوؤں کے حقوق اور نزاعات کا تصفیہ پنڈت ہی دھرم شاستر کے موافق کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر ایشوری پرشاد جو زمانہ حال کے مشہور مورخ ہیں اسلامی عہد کے تعلق سے لکھتے ہیں:

---

[1] ماوردی: الاحکام السلطانیہ باب ۱۳ صہ ۳۹

"قانون کی نظر میں سب برابر تھے ہندوؤں اور مسلمانوں
میں کچھ فرق روا نہ رکھا جاتا تھا۔ ایسے تمام مقدمے
جو قرضوں، معاہدوں، وراثتوں، جائدادوں اور
زناکاری وغیرہ کے متعلق ہوتے تھے ان تمام کا تصفیہ
ان ہی کے ہندو اپنی پنچایتوں میں کرتے تھے یا ثالثی
مجلس اس کام کو انجام دیتی تھی اور بہترین کارکردگی
سے یہ اپنا کام کرتی تھی"[1]

ایک مسلمان جتنا زیادہ اپنے مذہب کا دلدادہ ہوتا ہے اتنا ہی وسیع النظر اور روا دار ثابت ہوتا ہے لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین) اور لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (دین کے بارے میں جبر نہیں) اس عمل کے دو ستون ہمیشہ رہے ہیں برخلاف اس کے دیگر مذاہب و مملکتوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو ناانصافی برتی ہے اور برت رہے ہیں ایک خونی اور افسوسناک داستان پیش کرتی ہے۔ خود حیدرآباد میں حیدرآباد کی مملکت نے صدیوں تک ہندوؤں کو دھرم شاستر سے مستفید ہونے کا موقع بالالتزام پہنچایا لیکن "پولیس ایکشن" کے چند ہی دنوں بعد مسلمانوں کے تعلق سے مفتی صدارت العالیہ کا عہدہ اور عدالت دارالقضاء کو برخواست کردیا گیا یہ ایک ادنیٰ مثال ہے۔ تفصیلات کی بحث طولانی ہوگی۔ لیکن جبر و قہر انسانی ہمیشہ عارضی عوارض رہے۔ قدرت اپنا انتقام بروقت لیتی ہے اور اپنا

---

[1] ایشوری پرشاد: میڈیول انڈیا صلاتا سندھ پر عربوں کا قبضہ۔

انتظام بروقت کرتی ہے۔ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے اسلامی اصولوں پر آج اقوام متحدہ کے منشور وضوابط مرتب ہوئے ہیں۔ اسلام کا ستارہ پھر اپنی روشنی چمکانے لگا ہے۔

اسلامی قانون کی سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ کوئی جامد چیز نہیں بلکہ ایک حرکت اور لچک اپنے میں رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے بدلتی ہوئی دنیا کے نت نئے مسائل ہمیشہ بوجوہِ احسن اس کی مدد سے حل ہوتے رہے ہیں۔ اسلامی قانون کی ایک بنیاد مشاورتی نظام پر رکھی گئی ہے۔ قرآن کے عمومی اور خصوصی پہلوؤں کی روشنی کے ساتھ یہ بھی حکم فرمایا گیا ہے کہ:۔

وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (قرآن سورہ شوریٰ)

اور توان سے مشورہ کیا کر

صحابۂ کرام کے تعلق سے ارشاد خداوندی ہے کہ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (ان کے تمام کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات میں تصفیہ کے لئے جہاں تمام لوگوں کو طلب کرنے میں دشواری دیکھتے تھے توان کے نمائندوں کو طلب فرماتے تھے۔ عہد رسالت میں بنو ہوازن کے مال اور جنگی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ اسی طرح طے فرمایا گیا تھا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں مجلس مشاورت کو کاروبار مملکت میں بڑا دخل تھا۔ مورخ بلاذری لکھتے ہیں:۔

"مسجد نبوی میں مہاجرین کی ایک مجلس تھی جس میں حضرت عمرؓ ان کے ساتھ بیٹھ کر جملہ معاملات پر

جو تصفیہ طلب ہوتے تھے گفتگو کیا کرتے تھے"۔

حقیقی جمہوریت کے بہترین کارناموں کے نمونے اسلامی دور میں بکثرت ملتے ہیں جن کو دیکھ کر آج کل کی "ترقی یافتہ" دنیا بھی دنگ رہ جاتی ہے۔ سیکولر مملکت ہو یا دوسری مملکتیں قانونی ایک نظریہ رکھتی ہیں اور عمل کا جذبہ اس سے مختلف ہوتا ہے مگر اسلامی قانون اور اس پر عمل پیرائی کی شان تمثیلات ذیل میں ملاحظہ طلب ہے:۔

حضرت عمرؓ نے ایک دعویٰ ایک شخص کے مقابلہ میں دائر کیا۔ مدعی اور مدعا علیہ ہر دو قاضی (حاکم عدالت) کے محکمہ میں طلب کئے گئے۔ حضرت عمرؓ (صدر مملکت) داخل عدالت ہوئے تو قاضی ان کو دیکھ کر تعظیماً اُٹھ کھڑا ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس حرکت کو حاکم عدالت کی ایک ناقابل معافی کمزوری تصور کر لیا کیونکہ عدلیہ کا عاملہ سے مرعوب ہو جانا انصاف میں خلل ڈالنے کے مماثل ہے۔ قاضی خدمت سے ہٹا دیا گیا۔

حضرت علیؓ نے ایک مقدمہ کسی یہودی کے خلاف دائر کیا۔ دارالخلافہ کوفہ کے قاضی شریح نے باوجود اسکے کہ حضرت علیؓ خلیفہ وقت تھے فیصلہ ان کے خلاف دیا۔ اس فیصلہ کو سنتے ہی یہودی اور اس کے قبیلہ کے افراد پکار اُٹھے "آسمانی انصاف زمین پر اتر آیا ہے"۔

اسلامی تاریخ، اسلامی قانون و انصاف کی ایسی ہزاروں مثالوں سے بھری ہے لیکن نہ دنیا اس سے واقف کرائی گئی ہے اور نہ مسلمان اسکی اشاعت کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ صحیح اشاعت سے خود مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوگی اور جس مذہب کی اشاعت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، اس کی تجدید کا عمل جاری رہے گا۔

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفہ کے ایک بہت بڑے تاجر تھے۔ قیمتی کپڑوں کی تجارت تھی۔ کوفہ میں سب سے بڑی دوکان شاید انہی کی تھی۔ تجارت کے اصول عین اسلامی تھے۔ ہر چیز پر منافعہ قلیل اور واجبی لیا جاتا تھا۔ ہر شئے کی قیمت متعین تھی قیمت کا لیبل ہر چیز پر چسپاں، کہ نہ وقت ضائع ہوتا تھا اور نہ کسی قسم کا شبہہ پایا جا سکتا تھا۔

ابو حنیفہ اسلامی بینکنگ کے کاروبار بھی انجام دیتے تھے۔ ڈپازٹ کی رقمیں کثیر تھیں۔ ان کے انتقال کے وقت جو ڈپازٹ کی رقوم بطور امانت تھیں ان کا اندازہ پانچ کروڑ کیا جاتا ہے، اعتماد کی یہ مثال ایک فرد واحد کی حد تک اپنی نظیر نہیں رکھتی اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے متحیر کن نہیں تو کچھ نہیں۔

تجارت اور بینکنگ حضرت ابو حنیفہؒ کی مشغولیت کے دنیاوی پہلو تھے۔ علمی میدان میں جو مشغلہ آپ کا رہا اس کی نظیر بھی غیر اسلامی دنیا کی تاریخ کم پیش کر سکتی ہے کہ آپ نے اپنے شہر کوفہ میں ایک مجلس شوریٰ کی بنا ڈالی اس مجلس کا کام کتاب اور سنت احکام اور واقعات کی روشنی میں قانون سازی کا تھا۔ اس مجلس وضع قوانین کے امام ابو حنیفہؒ مسلمہ و منتخب صدر تھے۔ قابلیت کے لحاظ سے جذبہ عمل و دیانداری کے لحاظ سے محنت و جفاکشی کے اعتبار سے صدر تھے۔ تنہا بوجھ اٹھانا ناممکن تھا اور اصول یہ تھا کہ دماغ سے دماغ لڑے، ہر مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو جانچا جائے۔ اور تحقیق و تدقیق کا سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے جب تک کہ اتفاق رائے نہ ہو۔ کوئی محدود دستش نہ تھے۔ تکمیل کار مقصود تھا۔ زمانہ اور مدت کی پابندیاں عائد نہ تھیں۔ فیصلوں میں ہاتوں کا شمار نہیں ہوتا تھا جس کی قابلیت

سب سے زیادہ تھی اس کی رائے سب سے وقیع تھی۔ جس کا فن سب سے کامل تھا اس کی وقعت زیادہ تھی۔ مال وجائداد، رتبہ یا قومیت قابل اعتنا نہ تھے۔ صوبہ واری گنتی نہیں ہوتی تھی۔ علمیت، اتقاء، تبحر، تجربہ، نیک نفسی، ایثار، خدمت خلق، خوف خدا یہی شرائط عائد تھے۔ آزادرائے کے اظہار میں کبھی پس وپیش نہ ہوتا تھا۔ ایک ہی مسئلہ کی جانچ میں کئی ہفتے اور مہینے گذر جاتے تھے یادداشت اس وقت تک مرتب نہ ہوتی جب تک کہ ہر پہلو روشن نہ ہو چکتا۔ نہ کسی عہدہ کے حصول کی فکر تھی اور نہ کسی قسم کے استحصال کی آرزو۔ امام صاحب کی زندگی کے پورے تیس سال اسی نوعیت کی تحقیق میں صرف ہوئے اور اس مدت میں آپ کے ساتھ کام کرنے والے اس زمانہ کے ایسے درخشاں ستارے تھے جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک آفتاب علم تھا۔ کام کی رفتار کی نسبت خوارزمی کا بیان ہے۔

"اس مجلس میں ۸۳ ہزار مسائل پیش ہوئے ان میں سے
صرف ۳۸ ہزار مسائل کا تعلق عبادات سے تھا اور مابقی
۴۵ ہزار دفعات کا تعلق معاملات یعنی انسان و دنیاوی
زندگی سے تھا" (۱)

تدوین قانون اسلامی کے حیرت ناک کام کی نسبت اور قانون اسلامی کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس کتاب میں بیان کی ہے۔ قانون کے ماخذ اور اس پر جن اثرات نے کام کیا ان سے سیر حاصل بحث کی ہے یہ واضح کیا ہے کہ جب نیت خالص ہوتی ہے اور کام خدا کے واسطے ہوتا ہے تو کام کا جذبہ کیسا ہوتا ہے اور اس کی مقدار کتنی زیادہ ہوتی ہے۔

تدوین قانون اسلامی میں کیا اسپرٹ کارفرما تھی اور اس سے کیا نتائج

برآمد ہوتے اگر ان کا تقابل موجودہ پارلمنٹوں کے طریقۂ عمل سے کیا جائے تو بڑے دلچسپ حقائق واضح ہونگے۔

قانونِ اسلامی پر جو حملے مخالفین کرتے آئے ہیں اور اس کو جن بیرونی اثرات کا زیرِ نگیں بتلایا گیا ہے اس پر بھی ڈاکٹر صاحب نے تفصیلی بحث کی ہے اور بالخصوص قانونِ روما کی نسبت جو تفصیلات بیان ہوئیں ہیں وہ نہایت دلچسپ ہیں۔ مغرب کے سارے قوانین کا ماخذ قانونِ روما تھا اور جو نقائص اس میں تھے وہ مغرب سارے قوانین میں سرایت کر گئے۔ قانونِ روما سیکولر نوعیت کا حامل رہا اور سیکولر دنیا سے دنیا کی جو تباہی ہو رہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں اس کا اعتراف خود مغرب اب کرنے لگا ہے۔

بہرحال ڈاکٹر حمید اللہ کی یہ چھوٹی مگر جامع اور محققانہ تصنیف بہت معلومات افزا اور بڑی دلچسپ ہے اس سے مسلمانوں کو یہ بھی سبق حاصل ہوتا ہے کہ ان کی خوابیدگی نے انہیں کیا نقصان پہونچایا اور ان کی صحیح معنیٰ میں بیداری دنیا کو کس طرح صحیح راستہ بتلا سکتی ہے۔

محمد رحیم الدین

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حضرت امام اعظمؒ (امام ابو حنیفہ) کا اسلامی قانون پر اتنا احسان ہے اور قیام قیامت تک رہے گا، کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ایک شافعی خاندان میں پیدا ضرور ہوا ہوں، لیکن میرے لئے امام شافعیؒ سے بہتر مقتدیٰ کون ہو سکتے ہیں؟ لکھا ہے کہ جب کبھی امام شافعیؒ بغداد جاتے تو فجر کی نماز میں دعائے قنوت (جو اُن کی رائے میں واجب ہے) پڑھنا ترک فرما دیتے تھے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو کہا اس قبر میں سونے والے (امام ابو حنیفہ) کے سامنے شرم آتی ہے کہ میں اپنی رائے پر اصرار کروں! ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کے دادا استاد امام ابو حنیفہؒ کی میرے دل میں بڑی عزت ہے: بطور انسان اور مسلمان کے بھی اور بطور عالم اور فقیہ کے بھی۔

ان کا مزار بغداد میں مشہور ہے۔ کاش میرے ناشر کو اس کا فوٹو مل جائے تاکہ اس حقیر کتاب کی زینت بنے۔

یہ رسالہ اب سے کوئی چالیس سال پہلے لکھا تھا۔ ایک دو بار اس اثناء میں کچھ ترمیم اور اضافے کے ساتھ وطن، حیدرآباد دکن، میں چھپا، اب وہ مکرر چھپ رہا ہے تو وطن سے دور ہوں۔ کسی مؤلف کو اس سے بڑھ کر کس بات سے خوشی ہو سکتی ہے کہ اس کی تحریر کو پڑھنے کے لوگ خواہشمند رہیں

اور وہ مکرر سہ کرر چھپے۔

امام ابوحنیفہؒ پر میری جو حقیر معلومات ہیں، وہ آگے کتاب میں ملیں گی یہاں سوائے اس کے کیا عرض کروں کہ محترم ناشر کا شکر گزار ہوں جو اسے پھر چھاپ رہے ہیں۔

جزاہ اللہ خیرا وبارک فی مساعیہ

محمد حمید اللہ

پیرس ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی

مختلف ملکوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر جگہ ابتداءً قبائلی رسم و رواج کا دور دورہ تھا اور اسی معاملے میں رواجی نظیر رہبری کے لئے موجود نہ ہوتی تو کسی معتمد علیہ اور فرزانہ پنچ سے رجوع کیا جاتا اور اس کا فیصلہ قانون کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ ہوتا تھا۔ کسی بستی کے بس جانے اور شہری مملکت کے قائم ہو جانے پر قبائلی وحدتوں کا رواج جلدی ہی سربرآوردہ قبیلے کے رواج میں ضم ہو جاتا ہے اور اکثر ملکوں میں یہ رسم و رواج کسی بڑے ہیرو کی افسری کے زمانے میں تحریری صورت اختیار کر لیتے ہیں اپنے کو حقیر سمجھنے کا جذبہ اور مرعوبیت بعد والوں کے لئے اس تحریری قانون میں جمود پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب تک کوئی انقلاب انگیز بیرونی اثرات یا خود اس تحریری قانون میں ترقی کر سکنے کے لئے اندرونی لچک نہ رہی ہو تو جلدی ہی وہ قانون از کار رفتہ ہو کر طبعی موت مر جاتا ہے۔

ایک دوسرا رجحان اکثر ملکوں میں یہ رہا ہے کہ ابتداءً جملہ شعبہ ہائے حیات چاہے وہ عبادات ہوں یا معاملات یا جرائم و جنایات، مذہبیت کی ہمہ گیر گرفت میں جکڑے رہتے ہیں اور قانون دانی و عدل گستری پجاری کا اجارہ ہوتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ عبادات اپنے تقدس کے باعث غیر تبدل پذیر ہو جاتی ہے اور

سیاست اپنے نت نئے مسائل کے باعث روز افزوں صوابدید پر منحصر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی لئے مذہب اور سیاست میں دوری ہو جاتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کا آغاز شہر مکہ سے ہوا۔ متعدد کاروانی راستوں کا اہم جنکشن ہونے کی وجہ سے یہاں کی آبادی میں یک نسلی باقی نہ رہی تھی اسماعیلی خاندان عراق مصر و فلسطین سے آتے تھے۔ خزاعہ یمن کے تھے۔ مکے والوں کے رشتہ داری اور کاروباری تعلقات شہر مدینہ اور شہر طائف سے بھی کافی تھے۔ قُصی کا تعلق شمالی عرب کے قبیلہ قضاعہ سے تھا۔ قُصی کی کوشش اور قابلیت سے قریشی قبائل نے شہر مکہ میں سربرآوردہ حیثیت حاصل کی اور قُصی ہی کی سرداری میں ایک زیادہ منضبط شہری مملکت قائم ہوئی جس میں مختلف مذہبی، سماجی اور انتظامی عہدے موروثی طور پر مختلف خاندانوں میں پائے جاتے تھے۔[1] جہاں تک قانون کا تعلق ہے، حجاز میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم رہنے کے باعث اسلام سے پہلے کسی تحریری مجموعے کا پتہ نہیں چلتا لیکن قانون معاہدہ اور قانون جرائم وغیرہ کے بہت سے رواجی احکام روایات نے محفوظ رکھے تھے حتیٰ کہ اجنبیوں کے حقوق کے تحفظ اور تصادم قوانین کے نفاذ کے لئے حلف الفضول کے نام سے ایک رضا کارانہ نظام بطور تہدید و تدارک وجود میں آ گیا تھا۔ شہر مکہ میں اسی قُصی کی اولاد میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبر اسلام کی حیثیت حاصل فرمائی۔ مکہ "وادی غیر ذی زرع"

---

[1] تفصیل میں نے ایک الگ مضمون "شہری مملکت مکہ" میں دی ہے جو اسلامک کلچر میں ۱۹۳۸ء میں اور ترجمہ معارف اعظم گڑھ میں ۱۹۴۲ء میں چھپا ہے۔ دیکھئے شمارہ ۱-۲ نیز میری کتاب "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" میں۔

ہے اس لئے یہاں کے لوگ عام طور پر تجارت پیشہ ہی تھے۔ تجارت اور کاروانی کاروبار کے سلسلے میں پیغمبر اسلام نے بھی عرب میں یمن اور عمان کا کافی طویل سفر کیا تھا اور عرب ملک کے باہر کم از کم فلسطین جانے کا دو بار پتہ چلتا ہے۔ ایک مرتبہ آٹھ نو سالہ نوعمری میں ضد کر کے اپنے سرپرست و چچا کے ساتھ اور ایک مرتبہ بطور خود پچیس ۲۵ سال کی عمر میں۔ لکھنے پڑھنے سے ناواقف اُمّی ہونے اور یونانی، لاطینی اور سُریانی زبانوں کے نہ جاننے کے باعث سوائے قانون و رواج تجارت کو تیز نظری سے دیکھنے کے اس کی کم توقع کی جا سکتی ہے کہ فلسطین میں اس زمانے میں کسی اور چیز سے آپ نے دلچسپی لی ہو۔

بہر حال چالیس سال کی عمر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شہر کے ایک جونیر گھرانے کے جونیر رکن تھے اپنے متعلق خدا کے پیغام رساں ہونے کا اعلان فرمایا اور قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا آپ جہاں دیدہ بھی تھے۔ کئی بار شام (فلسطین) کئی بار یمن اور کم از کم ایک بار بحرین و عمان کا سفر فرما چکے تھے[1] جہاں کے میلوں میں سندھ، ہند، چین، اور مشرق و مغرب کے تاجر بھی آتے تھے[2]۔ بحری سفر کر کے ایک مرتبہ حبش جانا بھی مکتوب نبوی بنام نجاشی کے متعارفانہ انداز سے استنباط کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اس طرح کے سفر کا کوئی صریح تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ اس تجربے کا اثر صوابدیدی (غیر وحی شدہ) قانون سازی پر تاگزیر ہے۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد چہارم صفحہ ۲۰۶

[2] کتاب المحبّر لابن حبیب صفحہ ۲۶۵ ۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد۔

خدا کا جو پیغام آپ کو وحی کے ذریعے سے وصول ہوتا تھا اُسے آپ فوراً ایک ترتیب سے لکھوا دیتے۔ اس کے مجموعے نے کتاب اللہ اور قرآن کا نام حاصل کیا۔ چونکہ پیغمبر اسلام نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا اس لئے قوم کے ہر شعبۂ حیات کے لئے اس میں رہنمائی کی گئی اور صرف ایک دنیا وی شعور کے قانون ہی پر قرآن منحصر نہیں ہو گیا۔

قرآنی پیغام کی تشریح و توضیح اور اصلاح قوم کے سلسلے میں ملک کے بہت سے اچھے اور معقول قدیم رواجات کو آپ نے اپنے متبعین میں جو برقرار رہنے دیا یہ بھی قانون اسلام کا بہت بڑا ماخذ ہے خاص کر اس لئے بھی کہ خود قرآن نے متعدد جگہ اس کا صراحت سے حکم دیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا ہر قول و فعل اور ہر امر و نہی واجب التعمیل اور لائق تقلید ہے۔ لیکن یہ سُنت نبوی اس باقاعدہ اور مکمل طور سے تحریراً مرتب نہ ہو سکی جو قرآن کے متعلق ملحوظ رکھا گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ سنت نبوی میں بھی صرف قانونی احکام نہیں ہیں بلکہ دیگر قسم کے امور بھی ملیں گے۔ قانونی احکام کچھ تو قرآنی اجمال کی تفصیل و تکمیل پر حاوی تھے تو کچھ نئے اور زائد احکام تھے جو قرآن کے سکوت کے وقت دیئے گئے تھے اور کچھ ملکی اچھے رسم و رواج کے مختلف اجزاء کو برقرار رکھنے پر مشتمل تھے۔ پیش ہونے والے مقدمات کے فیصلے، روز مرہ نظم و نسق کا تذکرہ، حکام اور افسروں کو ہدایتیں، خصوصی خطبات و اعلانات، غرض بیسیوں قسم کی چیزیں سنت میں ملتی ہیں۔ دنیا کا کوئی قانون مباح اُمور کی فہرست مکمل نہیں کر سکتا۔ اچھا اور معقول نظام قانون اپنے چند بنیادی خصوصیات کو واجب اور ضروری قرار دے کر اور ممنوعات کی فہرست

کو مکمل کرکے باقی تمام چیزوں کو روا[1] قرار دیدیتا ہے اور جن چیزوں میں بیک وقت متعدد حقوق قائم ہوتے ہیں ان کا تناسب بیان کر دیتا ہے۔
"اُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ" وغیرہ قرآنی آیتوں سے قانونِ اسلام میں یہی اصول ملحوظ رہا ہونا ہویدا ہوتا ہے ۔ "اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْہِ" "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا" وغیرہ سے قانون میں لچک اور حالات کا ساتھ دینے کی قابلیت واجبات و ممنوعات کے متعلق بھی پیدا کر دی گئیں ۔

لیکن بڑا اہم سوال آئندہ کی ترقی کا ہے کہ مستقبل میں پیدا ہونے والے نامعلوم اور ان گنت نئے مسائل سے دوچار ہونے پر کیا کیا جاتے ؟ اس بارے میں امام* ترمذی وغیرہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث متعدد ماخذوں سے روایت کی ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو سرکاری افسر بنا کر روانہ کیا تو رخصتی باریابی میں حسب ذیل گفتگو فرمائی ہے۔

اگر کوئی مقدمہ پیش ہو تو کس طرح فیصلہ کروگے ؟

جیسا کہ کتاب اللہ میں حکم ہے !

اگر کتاب اللہ میں صراحت نہ ہو تو ؟

تو پھر رسول اللہ کی سنت کے مطابق !

اگر سنت رسولؐ میں بھی نہ ملے تو ؟

---

[1] "روا" یا "مباح" کے معنے یہ نہیں کہ اسے ضرور کیا جائے بلکہ وہ ہر شخص کی صوابدید، اس کے ذوق سلیم، اس کی ضرورت اور اس کے خصوصی حالات پر چھوڑ دیا جاتا ہے، اور نہ صرف دو آدمیوں کے بلکہ ایک ہی آدمی کے دو مختلف اوقات کے طرز عمل میں اس کے متعلق اختلاف ہو سکتا ہے۔

* ص 70 مزید تفصیل کے لئے

تو پھر میں اپنے رائے سے اجتہاد کروں گا!

تعریف اس خدا کو سزاوار ہے جس نے اپنے رسولؐ کے فرستادے کو اس چیز کی توفیق دی جسے اس کا رسولؐ پسند کرتا ہے۔

یہ مکالمہ نہ تو کوئی کاغذی نظریہ بنا رہا اور نہ ہی کوئی انفرادی واقعہ تھا۔ اہم معاملات میں استصواب، نگرانی اور تصحیح کی ناگزیر ضرورتوں کے ساتھ ساتھ وسیع صوابدید کا حق خود جناب رسالتمآبؐ کی طرف سے افسران قانون کے لئے تسلیم کر لیا جانا، اور ایک دوسرے موقع پر اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ (تم لوگ اپنے دنیاوی اُمور کو زیادہ بہتر جانتے ہو) ارشاد فرما کر اپنے خالص جمالیاتی حکم کو منسوخ کر دینا ایک انقلابی لیکن فیصلہ کن نظیر تھی جس کے باعث اسلامی قانون کے مستقبل نے اپنے متعلق مکمل اطمینان حاصل کر لیا۔

عہدِ نبوی مسلمانوں کا دورِ قانون سازی تھا۔ اس کے بعد تعمیر و توسیع کا سلسلہ تو جاری رہا لیکن خالص قانونی احکام کا مجموعہ تیار کرنے کی کوئی سرکاری کوشش نہ ہوئی۔ اگرچہ خلفاء کی سرپرستی بلکہ خود اُن کی خواہش پر بعض خانگی مجموعے تیار ہوئے جس کی ایک مثال خود امام مالکؒ کی موطا کا خلیفہ منصور کی خواہش پر مرتب ہونا ہے۔ (دیکھئے زُرقانی کی شرح موطا کا مقدمہ) لیکن اُن کو

لہ ابوحنیفہؒ کی علمیت کا معترف ہونے کے باوجود منصور (حکومت ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) کا اُن کی بجائے امام مالکؒ سے تدوین فقہ کی خواہش کرنا کچھ تو امام ابوحنیفہؒ کی پیرانہ سالی کے باعث ہوگا اور اس سے زیادہ ان کی سیاسی بے باکی و آزاد خیالی کے باعث کہ عہدِ بنی امیہ میں وہ علانیہ انقلاب پسندانہ ہمدردیاں رکھتے تھے۔ چنانچہ جب امام زید بن علیؒ نے ایک سیاسی انقلاب کے لئے جدوجہد کی تو انہوں نے بہت بڑی رقم چندے میں دی تھی۔ (باقی صفحہ آئندہ)

کبھی سرکاری طور سے قانونِ ملک کے طور پر نافذ کرکے عدالتی و انتظامی افسرانِ مملکت کو انھیں کا پابند کردینے کی صورت پیش نہ آئی۔ ایسے مجموعے صرف ایک درسی کتاب کی حیثیت حاصل کرسکے جن سے حسبِ ضرورت حکام عدالت وغیرہ بھی مدد لیتے تھے۔ بہرحال ان کی خانگی کوششوں نے وہی مقصد حاصل کرلیا جو سرکاری اہتمام سے ممکن ہوتا اور کوشش کے خانگی ہونے نے آیندہ بھی خانگی علماء کی ہمتیں بلند رکھیں جو تدوین کے سرکاری ہونے کی صورت میں اتنے درخشاں نتائج پیش نہ کرسکتے۔ میرے ایک فاضل بزرگ اِس کی دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر دتوضیح کرتے ہیں کہ اسلام میں عہدِ نبوی کے بعد ۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) بنی عباس برسرِ اقتدار آئے تو چندے صبر کیا پھر منصور کے خلاف ۱۴۵ھ میں بغاوت ہوئی تو انہوں نے علانیہ منصور کی برائی کی تھی۔ شاید امام مالکؒ نے بھی ابتداءً منصور کی بیعت کے جبری اور بے اثر ہونے کا فتویٰ دیا تھا (سیرۃ النعمان شبلی ص ۱۵-۱۳) لیکن صیمری نے (وفات ۴۳۶ھ) ایک اہم واقعہ لکھا ہے کہ منصور نے ابن ابی ذئب العامری اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ تینوں کو بلاکر یہ سوال کیا تھا کہ ان کی رائے میں وہ خلافت کا اہل ہے یا نہیں ابن ابی ذئب اور ابوحنیفہؒ نے تو نصیحت کرکے در پردہ منصور کے کردار کی خامیاں برملا اس پر ظاہر کردیں لیکن امام مالکؒ نے یہ دلچسپ انداز اختیار کیا۔

لو علم فیك اللہ اھلاً لذلك — اگر خدا تجھے اہل نہ سمجھتا تو وہ تجھے امت کے
ما قدر لك ملك امر الامۃ — معاملات کا مالک بنانا طے نہ کرتا اور نہ امت
وأزال عنهم من بعد من نبیھم — ان لوگوں (کی حکومت) کو دور کرتا جو ان کے نبی سے (قرابت میں تجھ سے) زیادہ دور ہیں۔

اس ذو معنی فلسفیانہ جواب سے منصور کا اطمینان ہوگیا (بقیہ صفحۂ آئندہ)

صرف عدلیہ کو تنفیذیہ سے آزاد رکھا گیا بلکہ تشریعیہ کو بھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ تشریعیہ کو بڑی حد تک خالص غیر سرکاری بنا دیا گیا۔

ہمارا موضوعِ سخن آج اسلامی قانون کی ایک ابتدائی خانگی تدوین ہے جو دوسری صدی کے تقریباً آغاز سے وسط تک جاری رہی یعنی امام ابوحنیفہؒ کی کوشش جو ۸۰ھ میں پیدا اور ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

جیسا کہ معلوم ہوا، تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان علمی کام کوفے میں انجام پایا۔ کوفے کو حضرت عمرؓ اسلام کی پشت پناہ، وغیرہ بہت زیادہ تعریف آمیز الفاظ سے یاد کرتے تھے اور یہ بے وجہ نہ تھا۔

کوفے کی آبادی قدیم شہر حیرہ کے قریب بسائی گئی۔ سدِ مارب کے ٹوٹنے کے سلسلے میں جب بہت سے یمنی قبیلے ترک وطن کر کے شمالی عرب میں آبسے تو حیرہ بھی لخمی قبائل کا مرکز بنا اور خاندانِ مناذرہ نے یہاں جو عرب حکومت قائم کی وہ ایرانی سرپرستی میں ایک خود مختار مملکت تھی جس کا پایۂ تخت

(بقیہ صفحۂ گزشتہ) اس نے امام مالکؒ کو انعام بھی دیا اور غالباً اسی عمدہ تاثر کے باعث جب وہ بغاوتوں سے فراغت حاصل ہوئی اور ایک مجموعۂ قانون ملک کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے امام مالکؒ سے رجوع کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تدوین کی خواہش تک ابوحنیفہؒ کی وفات ہو چکی، اور ابوحنیفہؒ کے مدونہ قانون کو سیاسی وجوہ سے سرکاری قانون بنانا مناسب نہ معلوم ہوا ہو، بہر حال منصور کی خواہش تھی کہ جملہ قاضیوں کو موطا امام مالکؒ کے مکمل ہونے پر اس کا پابند کر دے۔ قدرت نے ابویوسفؒ کو ہارون رشید کا قاضی القضاۃ بنا دیا تو چاہے "مذہب السلطان" ہونے کے باعث ہی سہی (جیسا کہ یاقوت جلد (۲) ص ۱۲ میں اس کا عرف بتایا گیا ہے)، بہر حال شرقی دنیائے اسلام میں حنفی فقہ سرکاری قانون بن گئی۔

علم و فن کے چرچوں سے صدیوں تک گونجتا رہا اور وہ ایران و عرب کا علم اور اخلاق دونوں حیثیت سے سنگم بنا رہا۔ منذروں کا خاندان آغازِ اسلام تک بھی براجتا رہا لیکن پھر اس علاقے کا الحاق ایران سے ہو کر حیرہ کی حیثیت ایک صوبہ وار شہر کی ہوگئی۔ اتنے میں فتوحاتِ اسلام کے اوّلین سیلاب میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے زمانے میں سپہ سالار خالد بن الولید رضؓ نے اس کی ایرانیوں سے گلوخلاصی کرائی۔

حضرت عمر رضؓ نے جب مملکت اسلامیہ میں جا بجا چھاؤنیاں تعمیر کرائیں تو حیرہ کے بالکل قریب ایک خالص عربی شہر بسایا جس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ شہر کا نقشہ اور دیگر ابتدائی حالات کی تفصیل پروفیسر ماسینیون نے ایک مستقل مقالے میں دی ہے (تاریخ طبری سنہ ۱۷ھ میں بھی یہ تذکرہ پندرہ بیس صفحوں میں ہے) یہاں ہمیں صرف یہ معلوم کرنا باعث دلچسپی ہوگا کہ اس چھاؤنی میں (حضرت عمر رضؓ نے کوئی بارہ ہزار یمنیوں کو اور کئی ہزار دیگر قبائل کو بسایا۔ ان میں ایک ہزار پچاس صحابی تھے جن میں چوبیس بدری بھی تھے۔)[1]

حیرہ میں پہلے بھی یمنی ہی تھے اور اب کوفے میں تازہ ہزاروں یمنی آ بسے تھے۔ یمن وہ مقام ہے جس کا تمدن عرب میں بڑا قدیم ہے۔ سبا اور بلقیس کے متمدن زمانے کے قصے قرآن نے بھی ذکر کئے ہیں۔ ان کے ملک میں جتنے کتبے دستیاب ہوئے ہیں۔ عرب میں کہیں اور نہیں۔ اس یمن پر عرصے تک یہودیوں کی حکومت اور توریت کی کارفرمائی رہی۔ اس کے بعد حبش کے

---

[1] شبلی۔ سیرۃ النعمان صفحہ ۱۳ بحوالہ بلاذری و معجم البلدان یاقوت۔

عیسائی آئے اور وائلی کے پادری گرتے جنتیوس نے اسکندریہ کے بطریرک کے حکم سے یہاں عیسائی قوانین نافذ کئے جن کا مجموعہ مخطوطے کی صورت میں ویانا میں اب تک محفوظ ہے۔ عیسائی حبشیوں کا دور ایرانی حملے کے ذریعے سے ختم ہوا اور اس کے بعد ایرانیوں نے اسلام کے لیئے جگہ خالی کی۔ اس طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ یمن تہذیب وثقافت کے نقطۂ نظر سے کتنے کثیر دریاؤں کا سنگم بنا اور کتنے دلچسپ روایات وہاں کے تمدن میں سرایت کر گئے۔

انھیں یمنیوں سے کوفہ آباد ہوا لیکن یہی نہیں۔

(صحابۂ کرام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے، رسول خداؐ نے اپنی زندگی ہی میں ان کو مدینہ منورہ میں مفتی مقرر فرمایا تھا کہ جس کسی کو کسی مسئلے کے متعلق قانون اسلام دریافت کرنا ہو، عام طور سے انھیں سے رجوع کرے۔ اور یہ وہ واحد شخص ہیں جو خود رسول اللہ کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے) حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ سے عمر میں دس پندرہ سال چھوٹے تھے ایک طرح حضرت ابوبکرؓ کے شاگرد کہے جا سکتے ہیں۔ ان دونوں میں اتنی گہری دوستی تھی کہ اکثر یکجا ساتھ رہتے کوئی

لہ ڈیورژے DESVERGERS کی فرانسیسی کتاب "عرب ARABIE" کے مطابق ۔ ان یہودیوں کو اس کا پابند کیا گیا کہ اپنی لڑکیاں کسی یہودی کو بیاہ نہ دیں بلکہ صرف عیسائی کو دیں۔ ایضاً بحوالہ فرانسیسی تاریخ
SAINT MARTIN, HISTOIRE DU BAS-EMPIRE
کتاب ۳۲، سلہ کتاب التراتیب الاداریہ المسمی نظام الحکومۃ النبویہ، الکتانی جلد اوّل صا ۳۵۵

کام کرنا ہوتا تو مل کر کرتےؔ[1] عہدِ رسالت کے بعد خلافت صدیقی میں دونوں کا اشتراک عمل اور باہمی مشورہ اور بھی زیادہ ہو گیا شاید اسی ہم مزاجی کو دیکھ کر ہجرت سے بھی پہلے جب مکہ میں مواخاۃ اولیٰ قائم کی گئی تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہی میں بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا[2]۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ علوم صدیقی نے علوم فاروقی کے ساتھ امتزاج حاصل کر لیا (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابتداءً انھیں بزرگوں سے تعلیم پائی پھر براہ راست جناب رسالتؐ سے تفقہ کرتے رہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تعریفی سند حاصل فرمائی کہ جسے قرآن سیکھنا ہو وہ عبداللہ بن مسعود سے سیکھے[3]۔ اُن کی ذہانت اور قابلیت دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ان کو کوفے میں معلم بنا کر بھیجا[4] اور یہ وہاں کی جامع مسجد میں فقہ کا درس دیتے رہے انکے شاگردوں میں یمن ہی کے دو فاضل علقمہ (ف ۶۲ھ) اور اسود نخعی (ف ۷۵ھ) نے امتیاز حاصل کیا اور کوفے میں حضرت ابن مسعودؓ کے جانشین بنے۔ علقمہؒ کے شاگردوں میں ابراہیم نخعیؒ ایک اور یمنی نے مسجد کوفہ میں درس فقہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور جب ابراہیم نخعیؒ کی وفات ہو گئی تو حماد بن ابی سلیمانؒ نے جو غالباً ایرانی تھے کوفے کی درس گاہِ فقہ کو مزید شہرت عطا کی۔ ابوحنیفہؒ انھیں حماد کے شاگرد اور جانشین ہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں حضرت علیؓ بھی جو انا مدینۃ العلمِ وَ علیٌّ بابُھا

---

[1] مغازی الواقدی (مخطوط برٹش میوزیم) ورق (۱۰۳) سیرۃ شامیہ غزوہ خندق۔

[2] کتاب المحبر مؤلفہ ابن حبیب باب المواخاۃ ص۷۱۔

[3] الاستیعاب لابن عبدالبر ص۱۵۳۹ [4] ایضاً

کے خطاب سے بارگاہِ نبوی سے سرفراز ہوئے تھے[۱] وہ بھی آخری عمر میں کوفہ چلے آئے اور اس طرح ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے علوم کوفے میں جمع ہو گئے۔)

مزید برآں یہ کہ مدینہ منورہ میں توسیعِ فقہ کے لئے شوریٰ اور اجماع کا ادارہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے خاصا منظم کر دیا تھا اس دور کے فیض یافتہ تابعین میں "فقہاء سبعہ" نے جلدی ہی بڑا امتیاز پیدا کر لیا اور ان سات ماہرین کی کمیٹی نے ایک طرح سے قانون سازی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ سخاوی نے[۲] وضاحت سے بیان کیا ہے کہ خود قاضی بھی مدینۂ منورہ میں اس مجلس ہفت گاہ سے مشورہ لیتے اور اس کے فتوے کے پابند تھے۔

ان لوگوں کے نام قابل ذکر ہیں۔

(۱) ماہر قرآن و حساب و میراث حضرت زید بن ثابتؓ کے بیٹے خارجہ (جو طلحہ بن عبداللہ بن عوف کے اشتراک عمل سے تقسیم وراثت کے مقدمات کا فیصلہ کرتے اور معاہدات کی دستاویزیں لکھتے)

(۲) حضرت ابوبکرؓ کے پوتے قاسمؒ۔

(۳) حضرت زبیرؓ کے بیٹے عروہؒ۔

(۴) بی بی میمونہ یا بی بی اُمِّ سلمہ کے مولا (آزاد کردہ غلام) سلیمان بن یسارؒ۔

(۵) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ۔

---

[۱] یہ حدیث زبان زد عام تو ہے لیکن صحاح میں سے صرف ترمذی میں "انا دار الحکمۃ علی بابہا" کے الفاظ میں وارد ہے اور ترمذی نے اُسے "حدیث منکر" قرار دیا ہے۔

[۲] فتح المغیث للسخاوی صفحہ ۳۹۹ تا ۴۰۰۔

(۶) سعید بن المسیبؒ۔

(۷) عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بیٹے ابوسلمہ یا حضرت عمرؓ کے پوتے سالم یا ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام القرشی۔ اس ساتویں رکن کے تعین میں اختلاف ہے اور تین نام لیئے جاتے ہیں۔ جو تینوں مشہور فقیہ تھے۔ ممکن ہے کہ مذکورہ بالا چھ میں سے بعض کے انتقال پر دو نئے ارکان اس کمیٹی میں شریک کر لیئے گئے ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانے کی دنیائے اسلام کے اکثر اہم مرکزوں میں تعلیمی سفر اختیار کیا اور خاص کر مکہ اور مدینہ کئی دفعہ گئے اور مجلس ہفت گانہ فقہاء سبعہ کے جو ارکان زندہ تھے ان سے خوب فیض حاصل کیا تھا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے خاندانی سلسلے کے ممتاز ارکان امام محمد باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ اور امام زید بن علی زین العابدینؒ سے بھی سالہا سال استفادہ کیا اور آخر میں کوفے ہی میں متوطن ہو کر وہیں فقہ کا درس دیتے رہے۔

ان حالات میں کوئی حیرت نہ ہو اگر سفیان بن عُیَینہ نے اپنے زمانے کے حالات کو دیکھ کر یہ کہا ہو کہ "اگر کوئی غزوات (تاریخ اسلام) کی تعلیم پانی چاہتا ہے تو اس کا مرکز مدینۂ منورہ ہے۔ اور کوئی مناسک حج کی مہارت پیدا کرنی چاہتا ہے تو مکہ اور اگر فقہ چاہتا ہے تو کوفہ"[1]

رسول عربیؐ نے اپنی دس سالہ مدنی زندگی میں جس سیاست کی بنیاد

---

[1] مناقب ابی حنیفۃ الصیمری مخطوطہ استانبول (فوٹو دراحیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد) ورق ۲۲ / نیز معجم البلدان یاقوت ذکر کوفہ۔

ڈالی تھی اور خاص کر آخری سالوں میں ایران و روم کے لئے جو کارروائی شروع کی تھی اس کو آپ کے جانشینوں نے جاری رکھا اور جب عراق و شام و مصر بھی شہر مدینہ کے نظام مرکزی میں منسلک ہو گئے تو ناگزیر بہت سے صحابہؓ ان مقبوضہ علاقوں میں جا متوطن ہو گئے اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے جو فقہی مذہب رائج ہیں وہ زیادہ تر تین ہی صحابہ کے مکاتب کی روایات کے حامل ہیں یعنی حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت علیؓ۔

حضرت ابن مسعودؓ جیسا کہ بیان ہوا کوفہ جا بسے تھے جو نو آباد اور خالص عربی شہر تھا، اگرچہ عراق میں واقع اور ایرانی تمدن کے اثرات سے گھرا ہوا تھا اور ان کے تعلیمی سلسلے کی براہ راست پیداوار علقمہ نخعیؒ پھر ابراہیم نخعیؒ پھر حمّاد پھر ابو حنیفہؒ ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ زیادہ تر حجاز میں رہتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں ان کے مولا نافع نے بڑا امتیاز حاصل کیا۔ امام مالک انہیں کے شاگرد تھے اور مدینۂ منورہ میں رہتے تھے۔ امام مالک کے شاگرد امام شافعیؒ اور امام شافعیؒ کے شاگرد امام احمد حنبلؒ ہیں اور امام احمدؒ کے شاگردوں میں داؤد ظاہری۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، پیغمبر اسلام کے چچازاد بھائی، پروردے، اور داماد تھے زیادہ تر مدینے میں رہے آخری عمر میں سیاسی ضرورتوں سے کوفے جا رہے تھے اُن کی تعلیم کا ایک خاندانی سلسلہ بھی چلا اور جملہ شیعہ مذاہب اسی کی شاخیں ہیں۔

جناب رسالت (ف سنہ ۱۱ھ)

ابن مسعود الہذلی رض (ف سنہ ۳۲ھ)	ابن عمر رض (ف سنہ ۷۳ھ)	علی رض (ف سنہ ۴۰ھ)
علقمہ نخعی رح (ف سنہ ۶۲ھ)	نافع بن سرجس رح (ف سنہ ۱۱۷ھ)	حسین رض (ف سنہ ۶۱ھ)
ابراہیم نخعی رح (ف سنہ ۹۵ھ)	مالک رح (ف سنہ ۱۷۹ھ)	علی زین العابدین رح (ف سنہ ۹۴ھ)
حماد (مولی اشعری) (ف سنہ ۱۲۰ھ)	شافعی رح (ف سنہ ۲۰۴ھ)	زید (ف سنہ ۱۲۲ھ) محمد باقر (ف سنہ ۱۱۴ھ)
ابو حنیفہ رح (ف سنہ ۱۵۰ھ)	احمد حنبل رح (ف سنہ ۲۴۱ھ)	جعفر صادق رح (ف سنہ ۱۴۸ھ)

یہ نہ خیال کیا جائے کہ یہ مختلف مکاتب ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہے اور بالکل علاحدہ ترقی کرتے رہے بلکہ اس زمانے کا رواج تھا کہ ہر بڑا عالم بیسیوں اساتذہ کے درس میں شریک رہا اور ان کی تربیت سے فیض یاب ہوا ہوتا رہا۔ مثال کے طور پر بعض عقیدت مند سوانح نگاروں نے امام ابو حنیفہ رہ کے شیوخ کی تعداد ہزاروں تک پہنچا دی ہے۔ بہر حال یہ امر قابل ذکر ہے کہ امام ابو حنیفہ رح کے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات نہ صرف زیدیہ مذہب کے بانی امام زید بن علی زین العابدین رح سے تھے[1] بلکہ امامیہ مذہب کے بانی جعفر صادق رح اور ان کے والد محمد باقر رح کے بھی کہتے ہیں کہ وہ بہت دن تک شاگرد رہے۔ امام مالک رح سے بھی ان کی ملاقاتیں اور افادے اور استفادے کے لئے مباحث رہے تھے۔ امام ابو حنیفہ رح کے شاگرد رشید اور حنفی رح مذہب کے مشہور امام محمد شیبانی رح نے بھی امام مالک رح سے عرصے تک تعلیم پائی تھی۔ یہی حال امام شافعی رح کا تھا۔ یہ نہ صرف امام مالک رح کے شاگرد رشید تھے بلکہ امام ابو حنیفہ رح

لہ مناقب موفق ۱/۲۴۰ مناقب کردری ۱/۲۵۵

کے دو بڑے شاگردوں محمد شیبانیؒ اور وکیعؒ سے سال ہا سال درس لیا تھا اور محمد شیبانی کی اونٹ بھر کتابیں (حمل بختی کتباً) انہوں نے نقل کی تھیں[1] غرض جب تک یہ مکاتب تعصبات کا شکار نہ ہوگئے باہم افادہ اور استفادہ جاری رہا اور فراخدلی اور آزاد خیالی کا ملاپ اُن کا مسلک تھا۔ لیکن بعد میں ایسے زمانے آگئے کہ شیعوں اور سنیوں ہی میں نہیں شافعیوں اور حنبلیوں میں تک آپس میں خونریز جھگڑے ہونے لگے۔ اب اس پس منظر کے ساتھ دیکھو تو حنفی شافعی ہی نہیں سنی شیعہ فقہ بھی مخصوص فرقہ وار فقہ نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کی مشترکہ فقہ ہے اور خاص کر ابتدائی صدیوں میں فرقہ دار اساتذہ اپنے فرقہ تک محدود نہیں رہتے تھے۔ خود جس چیز کو حنفی فقہ کہتے ہیں اس میں ابو حنیفہ کے اقوال پر مشتمل سے پندرہ فیصد امور میں عمل ہوتا ہوگا۔ اور جس طرح سے شافعی و مالکی فقہ حنفی فقہاء سے متاثر ہوتی رہی ہے، حنفی فقہ کی بھی جزئیات میں ترمیم غیر حنفی اثرات سے محسوس و غیر محسوس دونوں طریقوں سے ہر زمانے میں ہوتی رہی اسی لئے ہم نے اس مقالے کا عنوان ابو حنیفہؒ کی تدوین فقہ حنفی نہیں بلکہ فقہ اسلامی رکھا ہے۔

قرآن کو خود جناب رسالتؐ نے مدون کرایا۔ آثار نبوی یا حدیث کو لکھنے کی بہت سی کوششیں مختلف صحابہ نے جناب رسالتؐ کی زندگی میں بھی کیں اور آپ کے بعد بھی اور جن صحابہ نے لکھنے کو اہمیت نہ دی وہ بھی اپنی معلومات زبانی طور سے نوعمر نسلوں میں منتقل کرتے رہے۔ اس میں تخصص بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ بیٹھتے میں

---

[1] صیمری ورقہ ۹۵ الف ۹۶ الف ذہبی کی مناقب محمد شیبانی ورق ۴۷

ایک دن تفسیر پر، ایک دن غزوات نبویہ پر اپنے طلبہ کو لکچر دیتے تو باقی دنوں میں مختلف دیگر آثار نبویہ یا علوم اسلامیہ پر، جہاں تک فقہ کے موجودہ مفہوم کا تعلق ہے اور جس میں عبادات، معاملات اور حدود و تعزیرات یعنی سزائیں داخل ہوتی ہیں، عہد نبوی ہی سے اس کے لکھنے کی کوشش شروع ہو چکی تھی۔ فتح مکہ کے وقت جناب رسالتؐ نے جو احکام و اصول سے لبریز خطبہ دیا تھا وہ خود جناب رسالتؐ کے حکم سے لکھ کر ابو شاہؓ نامی ایک صحابی کو دیا گیا تھا کہ اپنے ملک میں اس کو لے جا کر دستور العمل بنائیں (بخاری) عمرو بن حزم کو یمن کا گورنر بناتے وقت جناب رسالتؐ نے جو طویل تحریری ہدایت نامہ دیا اسے بھی تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ زکوٰۃ کے سرکاری محاصل جو غلّے، جانوروں اور نقد رقم وغیرہ پر وصول کئے جاتے تھے، ان کا نصاب بھی تحریر کر کے محصلین کو دیا جاتا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ (فوت ۶۸ھ) کے پاس کسی شخص نے ایک مرتبہ ایک کتاب پیش کی تھی، جس میں حضرت علیؓ کے فتوے یکجا کئے گئے تھے۔ حکام عدالت کے فیصلوں کی نقلیں بھی محفوظ رکھی جاتی ہوں گی، جس کا امام ابو یوسفؒ وغیرہ کے زمانے سے پتہ چلتا ہے۔ جو صحابہ اپنے طلبہ کو فقہ کی تعلیم دیتے تھے اس کی یادداشتیں بھی لی جاتی رہی ہوں گی۔ امام زید بن علیؒ (ف ۱۲۲ھ) کی طرف فقہ میں ایک کتاب المجموع منسوب ہے جو اب چھپ کر دستیاب بھی ہونے لگی ہے اگرچہ اب تک اس بحث کا خاتمہ نہیں ہوا کہ یہ کتاب امام زید کی لکھی یا املا کرائی ہوئی ہے یا ان کے لکچروں کو ان کے کسی شاگرد نے بعد میں خود مرتب کیا ہے اگر وہ امام زیدؒ ہی کی ہے تو پھر یہ امر دلچسپ ہوگا کہ اس تدوین کا خیال انھیں کس طرح پیدا ہوا؟ اس کی ترتیب ابواب میں انہیں

کس سے مدد ملی؟ اور ان کا طریقہ کار کیا تھا؟ اور آیا وہ انفرادی کوشش تھی یا اشتراک و تعاون کا نتیجہ؟ مگر اس پر مواد نہیں ملتا۔

احادیث نبوی کو فقہی ابواب پر مرتب کرنے کی کوشش امام مالکؒ (ف ۱۷۹ھ) کی موطا سے بھی قبل امام ابن الماجشونؒ (ف ۱۶۴ھ)[1] نے کی لیکن سوائے زرقانی کی شرح موطا کے دیباچے میں نام کے حوالے کے اس کتاب کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ امام مالکؒ کی تالیف اسی کی اصلاح اور اس کے جواب میں تھی یہ خیال کیا جاتا رہا ہے کہ اولاً خالص حدیث کے مجموعے تیار ہوئے پھر فقہی احکام کی حدیثیں الگ مرتب ہونے کے بعد آخر خالص فقہی کتابیں تیار ہوئیں لیکن میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ خالص حدیث کے بعد خالص فقہی کتابیں لکھی گئیں، تو ردعمل کے طور پر قانونی احادیث کے مجموعے تیار ہوئے امام زید بن علیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور الماجشونؒ (ف ۱۶۴ھ) جیسے فقہاء نے

---

[1] گولت سیہر کو (محمدانشے اشتوڈیین جلد ۲ صفحہ ۲۲۳) دھوکہ ہوا ہے اور العامری محمد بن عبدالرحمن مشہور بہ ابن ابی ذئب کو سب سے قدیم موطا نویس قرار دیا حتیٰ کہ ان کی وفات تک کسی سہو سے ۱۳۲ھ لکھ دی۔ ان کی وفات اصل میں ۱۵۹ھ میں ہوئی یہ غلطی تحقیق مزید نہ کرنے سے گولت سیہر کے حوالے سے بروکلمان نے تک (جرمن تاریخ ادبیات عربی (جلد ۱ صفحہ ۱۶۵ تا ۱۶۶) اصل معہ ضمیمہ جلد ۱) دہرا دی ہے۔ ان دونوں نے حوالہ زرقانی کا دیا ہے۔ لیکن زرقانی نے ابن ابی ذئب کی جگہ ابن الماجشون کو تقدم عطا کیا ہے: اور امام مالکؒ کا پیشرو قرار دیا ہے ابن ابی ذئب کی طرف یک موطا منسوب کی ہے اور کوئی اور امر بیان نہیں کیا ہے۔ چونکہ یہ امام مالکؒ سے زیادہ معمر تھے اس لئے ممکن ہے انہیں نے موطا پہلے تالیف کی ہو۔

صرف روایات مدینہ جمع کرکے ایک کتاب شائع کی) اور دیگر اہل الرائے نے ایک مکتب خیال قائم کیا، جس کے پیروؤں نے بعد میں غلو پیدا کیا تو بطور ردِ عمل اہل حدیث نے سنت کی پیروی پر زور دینے کے لئے فقہی احکام کی حدیثیں الگ مرتب کیں۔

امام مالکؒ (ف ۱۷۹ھ) وغیرہ چند ہم عصروں کی موطاؤں کو اسی تحریک کا آغاز سمجھنا چاہیئے۔ اور صحیح بخاری کو اس کی انتہا۔

جب مملکت کے استحکام اور امن و امان کے ساتھ قانونی احکام کی روز افزوں وسعت وکثرت ہونے لگی تو ان کے مجموعوں کی ضرورت حکومت نے بھی محسوس کرنی شروع کی اور خانگی علماء نے بھی، مذکورہ بالا مختصر پس منظر سے فوراً معلوم ہو سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ (ف ۱۵۰ھ) کی کوششیں فقہ کو مدوّن کرنے کے متعلق اپنی نوعیت کی اولین نہ تھیں لیکن ان کے کام کی وسعت، تنوع اور فنی خصوصیات کے باعث ان کی کوششیں اوروں سے زمانے میں متاخر ہونے کے باوجود ہر نقش ثانی کی طرح زیادہ دلکش رہیں اور آج انھیں کا مختصر ذکر مطلوب ہے۔

ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی (یا زوطرہ)[1] کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔

---

[1] ذہبی کی مناقب ابی حنیفہ (نشرہ احیاء المعارف) میں ان کا نسب نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہے بعض روایتوں میں زوطی بن ماہ کا جو نام ملتا ہے وہ شبلی (سیرۃ النعمان) کی رائے میں نعمان بن مرزبان ہوگیا۔ زوطی کے لفظ کا تلفظ ز، و، ط کے زیر اور زبر دونوں سے مروی ہے گویا زوطے پڑھنا چاہیئے۔ اس کے معنے چھوٹے کے بیان کئے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کسی ہندی لفظ کا معرب ہو۔

ان کے متعلق بڑا اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ نسلاً کون تھے؟ کوئی عرب بتاتا ہے تو کوئی ایرانی، کوئی افغانی کابلی بتاتا ہے تو کوئی باپ کو ایرانی اور ماں کو سندھی۔ تاریخ بغداد[1] میں خطیب نے علاوہ کابل، انبار، ترمذ اور نسا کے ایک روایت ان کے نبطی ہونے کی بھی درج کی ہے۔ نبطی عراق و شام کے مابین علاقے کی ایک قوم تھے۔ اور بعض وقت کسان پیشہ بھی، بلالحاظ قومیت۔ ہمیں اس بحث سے زیادہ دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اسلام نے شعوب و قبائل کی نسبت کو باہم تعارف اور پہچانت کی حد تک تو جائز رکھا ہے ورنہ اس اجازت کے ساتھ ہی اس نے کہہ دیا ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُم عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُم۔ اگر اس بحث کی تکمیل اور تحقیق سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ قانون اسلام کی تدوین یا ارتقاء پر امام ابو حنیفہؒ کے ذریعے سے کون سے بیرونی اثرات پڑے تو وہ بھی لاحاصل ہوگی کیونکہ چاہے ان کے دادا ایک آزاد کردہ نو مسلم غلام ہی کیوں نہ رہے ہوں خود اُن کی آنکھ مسلمان گھرانے میں کھلی تھی، ماحول خالص اسلامی ملا اور زندگی زیادہ تر کوفے[2] کے یا بغداد کے اسلامی شہروں میں گزری گو وہ فارسی ضرور جانتے تھے[3] اور اُن کے اساتذہ میں عطا ابن ابی رباحؒ نوبیہ کے حبشی تھے۔ عکرمہ مولا ابن عباسؓ بربر قوم کے تھے، مکحولؒ شامی یا مصری یا کابلی

---

[1] تاریخ بغداد ج۱۳ ص۳۲۴ [2] ابن سیرین کو ابو حنیفہؒ پر چوٹ کرنی ہوتی تو "نبطی زادہ" ہی کہا کرتے تھے، [3] مگر "اس نبطی کے ہاتھوں کس کے کپڑے نہیں پھٹتے؟" میں اعتراض سے زیادہ عظمت کا اعتراف ہی ہے۔ (صیمری ورق ۱۱) و [4] مناقب الامام الاعظم مولفہ الموفق ج۲ صفحہ ۵۵ تا ۵۶۔

تھے اور عربوں کے علاوہ مختلف نسلوں کے عجمی مسلمانوں سے بھی تعلیم پائی تھی۔ تجارت غالباً ان کا آبائی پیشہ تھا۔ بہر حال ہم اُن کو ریشم کے کپڑے کا کاروبار عمر بھر کرتا پاتے ہیں اور زمانۂ طالب علمی میں بھی اُن کو "موسر" (مالدار) کہا جاتا دیکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں انہیں تعلیم کا نہ تو شوق تھا اور نہ موقع ملا تھا۔ اور وہ اپنی ذہانت و توانائی بازاری میں صرف کرتے تھے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا علم پرور دور آیا تو اس نے اُن پر بھی اثر ڈالا اور جسے ایک بار علم کا چسکا پڑ جائے وہ کہاں چھوٹ سکتا ہے؟۔

شعبیؒ ایک مشہور محدث گذرے ہیں۔ اُن کی مردم شناس آنکھ نے ہونہار ابو حنیفہ کا جوہر تاڑ لیا اور ایک دن پوچھ ہی لیا کہ صاحبزادے تم کس سے تعلیم پاتے ہو؟ اور جب کاروبار کا نام سنا تو فرمایا کہ تم غفلت نہ کرو اور علم حاصل کرنے اور علماء کے ساتھ بیٹھنے پر نظر رکھو کیونکہ میں تم میں ایک بیداری اور حرکت پاتا ہوں[1]۔ حساس دل پر بے غرضانہ خلوص کا فوراً اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اب اعلیٰ تعلیم پر توجہ کی اور یکے بعد دیگرے بہت سے اساتذہ کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہو کر اپنی پسند کا علم انتخاب کرنے لگے[2]۔

بعض بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شروع میں علم کلام سے دلچسپی ہوئی جو اس زمانے میں نیا نیا رواج پذیر ہوا تھا اور آپ نے کافی درک بھی پیدا کر لیا۔ لیکن ایک دن کسی بڑھیا نے اُن سے روزمرہ کے کام کا

---

[1] مناقب الامام الاعظم موفق المکی ج ۱ ص ۵۹

[2] " " " " " ج ۱ ص ۵۴

کوئی معمولی سا مسئلہ پوچھا تو اس میں یہ کورے نکلے[1] اس سے اُن کے دل کو بڑی چوٹ لگی کہ وہ علم ہی کس کام کا کہ غیر محسوس اُمور کے متعلق تو زمین آسمان کے قلابے ملائیں اور روزمرہ کی ضرورتوں کے احکام سے نابلد رہیں۔

ایک بعد کے زمانے میں اُن کے ایک شاگرد ہیثم بن عدی الطائیؒ نے اُن سے پوچھا کہ علوم تو بہت سے ہیں آپ نے فقہ کا کیوں انتخاب کیا تو انہوں نے کہا تھا: "میں بتاؤں۔ توفیق تو خدا کی طرف سے ہوئی اور تعریف کا اہل و مستحق وہی ہے، بہرحال جب میں نے علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو سب ہی علم اپنے سامنے رکھے اور سب کو تھوڑا تھوڑا پڑھا اور پھر ان کے انجام اور نفع پر غور کیا۔ چنانچہ میں نے علم کلام کو لینا چاہا تو نظر آیا کہ اس کا انجام بُرا ہے اور منفعت تھوڑی ہی اور اگر کوئی شخص اس میں کمال بھی پیدا کر لے اور لوگوں کو اس کی ضرورت پڑے تو بھی وہ علانیہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ورنہ اس پر ہر قسم کے الزام لگائے جاتے ہیں اور اُسے بُرا کہا جانے لگتا ہے۔ پھر میں نے ادب اور نحو پر غور کیا اس کا انجام صرف یہ نظر آیا کہ کسی بچے کا معلم بن سکوں۔ پھر میں نے شاعری پر غور کیا تو دیکھا کہ اس میں مدح و ہجو اور جھوٹ اور دین کی مخالفت کے سوا انجام کچھ نہیں۔ پھر قرأت پر غور کیا تو اس میں کمال کا انجام یہ نظر آیا کہ کچھ نوجوان میرے پاس پڑھنے آئیں گے اور قرآن اور اس کے معنوں پر کچھ کہنا بڑی ٹیڑھی چیز ہے۔ پھر میں نے کہا کہ حدیث پڑھوں تو دیکھا بہت سی حدیثیں جمع کر کے لوگوں کے لئے اپنی احتیاج پیدا کرنے میں بڑی عمر لگے گی اور جب یہ چیز حاصل بھی

---

[1] صیمری ورق ۱۲ب

ہوجائے تو شاید صرف نوعمر ہی میرے پاس آئیں اور ممکن ہے کہ مجھ پر جھوٹ یا بھول کا الزام لگائیں اور قیامت تک وہ میری بدنامی کا باعث ہو جائے۔

(پھر میں نے فقہ پر غور کیا اور جتنا زیادہ غور کیا اتنا ہی اس کی عظمت و جلالت ذہن نشین ہوتی گئی اور اس میں کوئی عیب نظر نہیں آیا اور میں نے دیکھا کہ ایک تو اس طرح ہمیشہ علماء، فقہا، مشائخ اور اہل نظر کی ہمنشینی حاصل ہوگی اور ان کے اخلاق سے متصف ہونے کا موقع ملے گا اور دوسرے یہ بھی نظر آیا کہ اس کے جانے کے بغیر نہ تو مذہبی فرائض کی ادائیگی ٹھیک ہو سکتی ہے نہ دینی امور انجام پا سکتے ہیں۔ اور نہ عبادت کی جا سکتی ہے۔ یوں بھی اگر گھر میں یا رشتہ داروں میں یا محلے میں کوئی مسئلہ پیش آئے تو لوگ مجھ سے پوچھیں گے اور اگر میں جواب نہ دے سکوں تو کہیں گے کہ پوچھ کر بتلاؤ اور اگر میں کسی سے پوچھوں تو وہ معاوضے کی توقع کرے گا۔ غرض اگر کوئی فقہ سے دنیا حاصل کرنا چاہے تو اعلیٰ ترین مراتب پر پہنچنے کے امکانات ہیں اور اگر کوئی عابد اور عزت گزیں بننا چاہے تو پھر کوئی یہ اعتراض نہ کر سکے گا کہ بے جانے بوجھے عبادت میں لگ گیا ہے بلکہ یہی کہا جائے گا کہ علم حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کیا ہے[1]) تاریخ بغداد میں خطیب نے یہی روایت یوں بیان کی ہے کہ انہوں نے احباب سے مشورہ کیا اور مختلف علوم کے نتائج اور خامیاں بھی انہوں نے ابو حنیفہ کو بتائی تھیں[2] بہر حال جب امام ابو حنیفہ نے فقہ پر توجہ کی تو شہر کوفہ کے مختلف اساتذہ کے حلقہ ہائے

---

[1] موفق ۵۸ تا ۵۸

[2] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۱ تا ۳۳۲

درس میں حاضر ہوتے گئے مگر سوائے حمادؒ بن ابی سلیمانؒ کے کوئی نظر میں نہ جچا چنانچہ ان کی وفات تک برابر ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے رہے[1]۔

حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے بطور معلم آکر کوفے میں سکونت اختیار کرکے درس وتدریس کا جو اہم سلسلہ شروع کیا تھا اسے علقمہ پھر ابراہیم نخعی اور ان کے بعد حمادؒ جیسے ممتاز فقہاء نے جاری رکھا تھا اور خود امام ابوحنیفہؒ کے الفاظ میں جو انہوں نے خلیفہ منصور سے کہے تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے علوم کا سنگم اس مدرسے میں ہوگیا تھا[2]۔ جس کے باعث اس مکتب نے خاص وقار حاصل کرلیا تھا۔ اب حماد کی وفات پر خوف ہوا کہ کہیں یہ نام مٹ نہ جائے اور یہ سلسلہ ٹوٹ نہ جائے۔ پہلے حماد کے قابل بیٹے اسماعیل کو مسند نشین کرنے کی خواہش ہوئی لیکن انہیں فقہ سے زیادہ شاعری اور تاریخ سے دلچسپی تھی آخر حمادؒ کے شاگردوں نے باہم مشورہ کیا اور سب کی نظر اپنے کمسن شریک درس ابوحنیفہ کے سوا کسی پر نہ جچی اور سبھوں نے انھیں کو مجبور کرنا شروع کیا۔ انھوں نے کہا بھائیو! مجھے عذر نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ تم میں سے کم سے کم دس پورے سال بھر میرے درس میں موجود رہا کرو۔ انہوں نے یہ ایثار منظور کیا کہ ہم جماعت کے شاگرد بنیں اور اس طرح اس حلقہ درس کو عوام میں ایک وقار حاصل ہوگیا اور لوگ کھنچے چلے آنے لگے۔ ابوحنیفہ نے اپنے اخلاق اور اپنی دولت سے بھی اچھا کام لیا۔ شاگردوں وغیرہ میں سے غرباء کی امداد اور خوش باش

---

[1] موفق ۱/۴۴ [2] صیمری ورق ۴۴/ا-ب۔

لوگوں کو تحفے تحائف دینے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ اس طرح رفتہ رفتہ کوفے کی جامع مسجد میں اُن کا حلقہ درس سب سے بڑا حلقہ بن گیا اور ان کی ذہانت کے چرچے پھیل گئے۔ چونکہ وہ خود خوش حال تھے اور علمی انہماک کے سوا دنیاوی جاہ و منصب کی خواہش نہ رکھتے تھے اس لئے سرکاری حلقوں میں بھی ان کی وقعت بڑھتی چلی گئی[1]

شہرت سے ہمعصروں کو حسد پیدا ہوا کرتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر بھی اس سے مستثنا نہ رہ سکے خاص کر شہر کے قاضی اور کوتوال ان سے بہت جلتے تھے۔ کیونکہ بسا اوقات ان کے فیصلوں پر ابو حنیفہؒ تنقید کر کے غلطیاں نمایاں کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بغداد کے قاضی نے شہر کی ایک پیشہ ور طوائف کو آمادہ کیا کہ امام ابو حنیفہؒ کو کسی بہانے اپنے گھر بلائے۔ رات کو وہ مصیبت زدہ بن کر آئی اور اپنے بستر مرگ پر پڑے ہوئے شوہر کی تلقین کے لئے بلایا۔ دردمند امام گلیوں میں سے گذر کر اُس کے گھر پہنچے تو پہلے سے تیار پولیس نے ان کو گرفتار کر کے طوائف کے ساتھ رات بھر حوالات میں رکھا کہ ان کا چالان کر کے انکو غیر ثقہ اور آئندہ گواہی کے ناقابل قرار دیا جائے۔ ابو حنیفہؒ رات بھر حسب عادت نوافل اور عبادت میں مصروف رہے۔ اُس کو دیکھ کر تھوڑی ہی دیر میں طوائف سخت پشیمان ہو گئی اور پورا واقعہ بیان کر کے معافی چاہی۔ کسی طرح ابو حنیفہؒ کی بیوی کو بھی پتہ چلا کہ بڑی رات گئے حوالات آئیں تو طوائف بڑی خوشی سے اُن سے کپڑے بدل کر وہاں سے رخصت ہو گئی۔ صبح کو ابو حنیفہؒ مع اپنی

---

[1] موفق ۱/۲۹ تا ۶۲ تیز صیمری ص ۳ تا ۷

بیوی کے عدالت میں پیش ہوئے اور عدالت کو مجبوراً انھیں عزت سے بری کرنا پڑا۔[1]

حمید طوسی (کوتوال) نے اور ایک روایت میں افسر تعارف شاہی (حاجب) ربیع نے ایک دن منصور کے سامنے ابو حنیفہؒ سے یہ خطرناک سوال کیا کہ وقت بوقت ہم کو خلیفہ قتل وغیرہ سزاؤں کے نفاذ پر مامور کرتا ہے اور ہمیں مقدمے کے حالات کا علم نہیں ہوتا کہ سزا منصفانہ ہے یا ظالمانہ ایسی صورت میں ہم حکم کی تعمیل کریں یا نہیں؟ ابو حنیفہ نے جرح کی کہ "تمہاری رائے میں خلیفہ منصفانہ حکم دیتا ہے یا ظالمانہ؟" اس نے کہا "منصفانہ" ابو حنیفہؒ نے کہا "تو منصفانہ احکام کی فوراً تعمیل کرو۔ اس میں ثواب ہے" اور اس طرح عملی سوال کو علمی بنا کر خودداری کی لاج رکھی۔[2]

مشہور مورخ ابن اسحاق کی بھی امام ابو حنیفہؒ سے نہیں بنتی تھی۔ ایک دن وہ اور ابو حنیفہؒ دونوں خلیفہ منصور کے پاس موجود تھے۔ ابن اسحاق نے موقع دیکھ کر کہا "امیرالمومنین یہ شخص کہتا ہے کہ حضور کے جدِ امجد حضرت ابن عباسؓ نے اس مسئلے میں غلطی کی تھی جب یہ کہا تھا کہ کوئی شخص قسم کھا کر بعد میں کسی وقت بھی ان شاء اللہ کہے تو قسم کی پابندی باقی نہیں رہتی اور کہتا ہے کہ ان شاء اللہ قسم کے ساتھ فوراً کہنا چاہیئے" ابو حنیفہؒ نے جواب دیا "امیرالمومنین یہ شخص کہتا ہے کہ آپ کی فوج پر آپ کی اطاعت واجب نہیں کیونکہ سپاہی بیعت کا حلف لینے کے بعد گھر میں جا کر ان شاء اللہ کہہ

---

[1] موفق (ص ۱۷ تا ۱۹)

[2] صیمری ورق ۵۶ / ب مناقب موفق ذہبی بر موقع (

دیتے ہیں یہ خلیفہ ہنس پڑا اور ابوحنیفہؒ عزت کے ساتھ گھر واپس آئے[1]
امام ابوحنیفہؒ کو ایک بڑھیا کے سامنے فقہ کے ایک معمولی روزمرہ کے
مسئلے کے متعلق جو خفت برداشت کرنی پڑی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ
اس کا اثر اُن کے دل پر ہمیشہ رہا۔ چنانچہ فقہ میں درک حاصل کرنے، حماد
کا جانشین بننے اور بہت سے شاگرد فراہم ہو جانے کے بعد انھوں نے
اپنی دیرینہ دلی آرزو پوری کرنے کی کوشش کی اور چاہا کہ مختلف ابواب
کے مسائل مرتب کریں۔ چنانچہ اُنھوں نے اسلام کی بنیاد یعنی نماز سے آغاز
کیا اور اس پر ایک رسالے میں بہت سے احکام جمع کئے اور اس کا نام
کتاب العروس رکھا[2] اس رسالے کی مقبولیت سے ہمت پا کر انھوں نے
چاہا کہ مزید ابواب کے مسائل مرتب کریں کہ یک بیک ایسا واقعہ پیش
آیا جو ہر راسخ العقیدہ مسلمان کو بے چین کر دینے کے لئے کافی ہے چنانچہ
ابوحنیفہؒ نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبر اسلام کی قبر کھود کر اندر کی ہڈیاں چو طرف
پھینک رہے ہیں۔ تعبیر خواب کے فن کے بعض ماہرین نے بتایا کہ ایسا خواب
دیکھنے والا پیغمبر اسلام کے علوم کو زندہ کر کے چار وانگ عالم میں پھیلائے گا۔
اس پر ابوحنیفہؒ بہت خوش ہوئے اور گوشہ گزینی چھوڑ کر دوبارہ فقہ کا درس

---

[1] موفق ۱/۱۴۲ تا ۱۴۴ کردری ۱/۱۸۴) [2] موفق ۱/۴۶ تا ۴۸

[3] عام طور پر بصرے کے امام ابن سیرین کا اس سلسلے میں نام لیا جاتا ہے۔ مگر شبلی نے (سیرۃ النعمان صفحہ ۵۵ میں) اس پر اعتراض کیا ہے کہ ابن سیرین کی وفات سنہ ۱۱۰ھ میں ہوئی اور امام ابوحنیفہؒ کو یہ خواب حماد کی وفات (سنہ ۱۲۰ھ) کے بعد ہوا ہوگا۔ بہرحال کسی نے تعبیر کی ہوگی۔ خواب بھی آغاز تعلیم فقہ پر نظر آیا ہو سکتا ہے اور ابن سیرین ہی تعبیر کر سکتے ہیں۔

دینے اور تدوین فقہ کا کام جاری رکھنے پر آمادہ ہوئے[1]

اس کا پتہ چلتا ہے کہ ہر انقلاب حکومت کے وقت نئے حکمران، ملک کی اقلیتوں کو ہمنوا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مؤرخ طبری کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے تک سپہ سالار خالد بن الولیدؓ کو عراق میں اسی کا حکم دیا تھا[2]۔ ۱۳۲ھ میں بنی اُمیہ کا خاتمہ ہوا تو کوئی تعجب نہیں کہ عباسیوں نے بھی ایسا ہی کیا ہو۔ بہرحال اس کا پتہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں ذمیوں یعنی یہودیوں، نصرانیوں، پارسیوں وغیرہ کے تعلقات مسلمانوں سے اچھے تھے اور بعض ذمی غریب مسلمانوں کی مالی مدد وغیرہ کرتے تھے تاکہ رسوخ حاصل کریں اور بعض مسلمان ایسی امداد کے قبول کرنے کو ہتک اور تقویٰ کے خلاف سمجھتے تھے[3]۔

ایسے دوستانہ تعلقات کے زمانے میں یہ ناگزیر نہیں تو ناممکن بھی نہیں ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں وغیرہ میں دوستانہ بحثیں بھی ہوا کرتی ہوں۔ اور کیا تعجب ہے کہ مسلمانوں کو طعنہ دیا گیا ہو کہ تمہارا قانون مدوّن ہی نہیں ہے اور ہمارا قانون باقاعدہ مرتب شدہ موجود ہے۔ ممکن ہے ایسے ہی کسی طنز پر امام ابوحنیفہؒ نے پورا اسلامی قانون مرتب کرنے کی کوشش شروع کی ہو۔ ضرورت بہت دن سے تھی، باعث کا پتہ نہیں چلتا۔ اُن کے ہمعصر ابن المقفع نے اپنے نظم و نسق تجربے کے باعث ایک دردبھرے رسالے[4] میں حکومت کو توجہ دلائی ہے کہ قضاۃ ساختہ قانون نظائر، نیز فتاویٰ

---

۱ موفق $\frac{1}{۹۸}$ تا $\frac{1}{۹۷}$ ۳ تاریخ طبری صفحہ ۲۰۱۶ مطبوعہ لائیڈن

۲ موفق $\frac{1}{۲۴۹}$ ۴ ابن المقفع: کتاب الصحابہ، طبع مصر

یں تضاد اور اختلاف رائے کی اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ صحیح اسلامی حکم کا کسی مسئلے میں بھی پتہ چلنا ناممکن ہو گیا ہے، اور ضرورت ہے کہ مختلف اقوال کو کھنگال کر کسی کو ترجیح دی جائے اور خلیفہ کے حکم سے واجب التعمیل قرار دیا جایا کرے۔ بہر حال کیوں قانون اسلامی کو مدوّن کیا؟ اس کا جواب سوائے قیاس آرائی کے نہیں دیا جا سکتا۔ کیا کام کیا؟ اس سے سب لوگ واقف ہیں کس طرح وہ کام انجام دیا اس پر کچھ مواد یہاں فراہم کیا گیا ہے۔

ابھی ہم نے دیکھا کہ حمّاد کی وفات پر ابو حنیفہؒ کوفے میں فقہ کا درس دینے لگے تھے ان کا طریقہ تعلیم چند ایک منتشر بیانات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اعمشؒ ایک مشہور فقیہ گزرے ہیں اُن سے اگر کوئی کچھ مسئلہ دریافت کرتا تو وہ کہتے جاؤ اس حلقے میں بیٹھو یعنے ابو حنیفہؒ کے پاس کیونکہ اگر کوئی مسئلہ پیش آتا ہے وہ اس پر باہم بحث کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ خوب روشن ہو جاتا ہے[1]

ابن عُیَینہ مشہور محدث تھے۔ ایک دن وہ گزرے تو دیکھا کہ ابو حنیفہؒ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد میں ہیں اور خوب غل مچی ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا "ابو حنیفہؒ یہ مسجد ہے یہاں آواز نہ اُٹھنی چاہیئے" ابو حنیفہؒ نے کہا انہیں چھوڑ دیجئے اس کے بغیر وہ سمجھتے نہیں[2]

ایک دن یہ سوال تھا کہ بلوغ کس عمر میں سمجھا جائے۔ اُس دن تیس شاگرد موجود تھے۔ ابو حنیفہؒ نے سب سے پوچھا کہ وہ کب بالغ ہوئے؟

---

[1] مناقب کردری ۲/۲۰ [2] مناقب کردری ۲/۴

اکثر نے اٹھارواں سال بتایا۔ اور چند نے انیس۔ اس پر انھوں نے مرد کا بلوغ اکثریت کے تجربے پر اٹھارہ سال میں مقرر کیا[1]۔

(ایک دن کسی نے فقہ کا درس اور قیاس آرائی دیکھی تو فقرہ کس دیا کہ "قیاس سب سے پہلے ابلیس نے کیا تھا۔" (مراد یہ تھی کہ خدا نے جب حضرت آدم کو سجدے کا حکم دیا تو آتشی مخلوق کو خاکی مخلوق سے افضل قیاس کرکے ابلیس نے خدا کے حکم کو ماننے سے انکار کیا تھا) ابوحنیفہؒ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا بھلے مانس تم نے بے محل بات کہی ہے۔ ابلیس نے تو خدا کے حکم کو ٹھکرایا تھا۔ اور ہم ایک مسئلے کو دوسرے پر صرف اس لئے قیاس کرتے ہیں کہ اسے قرآن یا سنت یا اجماع امت کے اصول کے تابع کریں۔ اور اسی کی کوشش کرتے ہیں اور (خدا کے حکم کی) پیروی چاہتے ہیں پھر یہ اور وہ دونوں ایک کیسے ہوئے[2]")

[3](ایک دن کسی نے اُن کے اجتہاد کرنے پر اعتراض کیا تو کہا "میں قرآن ہی کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم ملے۔ اگر اس میں نہ ملے تو رسول کی سنت پر عمل کرتا ہوں اور ثقہ لوگوں کے ذریعے سے جو صحیح حدیث نبوی ملے اُس کو لیتا ہوں۔ اگر قرآن میں حکم ملے اور نہ سنت نبوی میں تو آپ کے صحابہ کے اقوال پر نظر ڈالتا ہوں۔ اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو خود کسی ایک کو ترجیح دیتا ہوں۔ لیکن اگر صحابہ اور غیر صحابہ میں اختلاف ہو تو صحابہ کے قول کو ہرگز نہیں چھوڑتا۔ ہاں جب رائے ابراہیمؒ اور شعبیؒ اور حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ اور سعید بن المسیبؒ وغیرہ وغیرہ کی ہو تو جس طرح ان کو اجتہاد کا

---

[1] موفق $\frac{1}{۸۴}$ [2] موفق $\frac{1}{۸۱}$

حق ہے مجھے بھی ہونا چاہیئے"[1]

محمد ابن ابی مطیع کہتے ہیں کہ میرے باپ نے کوئی چار ہزار مشکل سوالات مرتب کئے جو ہر باب سے متعلق تھے یا واقعات پیش آچکے تھے وہ اپنا سوال بند لاکر ابو حنیفہؒ سے جوابات پوچھا کرتے تھے ابو حنیفہؒ نے کہا " ابو مطیع کیا ایسے بہت سے سوالات ہیں ؟" کہا تقریباً چار ہزار۔ ابو حنیفہؒ نے کہا " میری مشغولیت کے وقت یہ چیزیں نہ پوچھو۔ دریافت اس وقت کرو جب میں فارغ رہوں۔ چنانچہ وہ ابو حنیفہؒ کی فراغت کے انتظار میں رہا کرتے تھے اور رفتہ رفتہ تمام سوالات ختم کر دیئے۔[2]

ابو حنیفہؒ کا قول ہم نے ابھی سُنا کہ وہ فقہی سوالات کے حل کرنے میں قرآن کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اُن کا قرآنی مطالعہ ظاہر ہے کہ بہت وسیع ہونا چاہیئے۔ وہ حافظ تو تھے ہی۔ شروع میں روزانہ پورے قرآن کو ختم کر لیا کرتے تھے لیکن بعد میں جب اصول کے استخراج اور مسائل کے استنباط میں مشغول ہو گئے تو بھی تین دن میں ایک قرآن ختم ضرور کر لیتے تھے۔[3]

حقیقت میں اُن کو قرآن سے عشق معلوم ہوتا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ جب کبھی کسی نہایت دقیق مسئلے پر غور کرنا ہوتا تو وہ تخلیئے میں اپنے تین مخصوص شاگردوں کو لیتے جن میں سے ایک خوش الحانی سے کچھ آیات کی تلاوت کرتا پھر ابو حنیفہؒ ان سے اس مسئلے میں باہم بحث کرتے۔[4]

---

[1] موفق ۱/۱۳۵ صیمری ۱۱/الف، ب [3] موفق ۱/۲۴۱ تا ۱/۲۴۴
[2] موفق ۱/۲۴۷ [4] موفق ۱/۱۹

ابو بکر مقعصی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ تین سال تک ابو حنیفہؒ کے پڑوس میں رہا۔ میں رات بھر ان کو نماز میں قرآن پڑھتے سنتا اور دن بھر اپنے شاگردوں سے فقہی مسائل کی بحث کے شور وغل میں پاتا۔ میں نہیں جانتا وہ کھاتے کب اور سوتے کب تھے۔[1]

کوفے کی مسجد میں وقف کی چار سو دواتیں طلبہ کے لئے ہمیشہ رہتی تھیں[2] اور یقیناً ابو حنیفہؒ کے سینکڑوں ہی شاگرد ہوتے ہوں گے۔ امام سیف الائمہ سائلی کا بیان ہے کہ ابو حنیفہؒ کے ایک ہزار شاگرد تھے جن میں چالیس خاص فضیلت و جلالت رکھتے تھے بلکہ اجتہاد کے درجے تک پہنچ چکے تھے۔ ابو حنیفہؒ ان کو خاص طور سے عزیز رکھتے اور ان کو تقرب حاصل تھا۔ ایک دن انہوں نے ان چالیس شاگردوں سے کہا کہ تم میرے سب سے جلیل القدر ساتھی اور میرے دل کے راز داں اور میرے غمگسار ہو۔ میں فقہ کی اس سواری کو زین اور لگام لگا کر تمہارے سپرد کر چکا ہوں۔ اب تمہیں چاہئے کہ میری مدد کرو کیونکہ لوگوں نے مجھے دوزخ کا پل بنا دیا ہے کہ سہولت تو دوسروں کو ہوتی ہے اور بوجھ میری پیٹھ پر رہتا ہے۔[3]

ان چالیس طلبہ میں سے مختلف ایسے علوم و فنون کے بھی ماہر تھے جن سے فقہ میں مدد ملتی۔ مثلاً تفسیر، حدیث و سیرت، بلاغت و بیان، صرف و نحو، لغت و ادب، منطق، ریاضی و حساب وغیرہ وغیرہ۔ خود ابو حنیفہؒ کی معاشیات اور تجارتی کاروبار کا وسیع تجربہ رکھتے اور علم کلام وغیرہ سے بھی ابتدا کے تعلیم میں

---

[1] موفق ۱/۲۵۰ دیگر شہادت موفق ۱/۲۵۱

[2] موفق ۲/۱۳۳ [3] موفق ۱/۲۲

خوب واقفیت پیدا کر چکے تھے[1])

ایک حدیث میں ہے کہ "خدا علم کو یک بیک اُٹھا نہیں لیتا ہے بلکہ علماء کی موت کے ذریعے سے اُس کو چھین لیتا ہے اور جاہل لوگ سردار بن جاتے ہیں جو ناسمجھی سے احکام دیتے ہیں"۔ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ اس حدیث سے بہت متاثر تھے۔ انھوں نے اپنے زمانے میں دیکھا کہ علماء تو ہیں لیکن علم منتشر ہے اور خوف تھا کہ ناخلف نسلیں آئندہ اسے ضائع نہ کردیں، اسی لئے انھوں نے فقہ کے مسائل کو باب وار مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا۔

[1]) اس مجلس تدوین فقہ میں ہم کو بڑے بڑے نام ملتے ہیں[2] امام ابو یوسفؒ، اور امام زُفرؒ کے نام سے بچہ بچہ واقف ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ اور فضیل بن

---

[1] مبسوط سرخسی ۱/۳۱۳، موفق ۱/۳۲، ۱/۳۲، ز/۷۴، ۲/۱۳۳

[2] موفق ۱/۳۴، ۲/۱۳۹، (اس فہرست میں شاید راوی کی بے خیالی سے امام محمد شیبانیؒ کا نام بھی لے لیا جاتا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ امام محمدؒ کی ولادت ہی ہوئی منصور کی خلافت کے آغاز کے وقت، اور امام ابو حنیفہؒ کی جب ۱۵۰ھ میں وفات ہوئی تو اس وقت ان کی عمر مشکل سے پندرہ سال کی تھی۔ امام محمد نے امام ابو حنیفہؒ کے درسوں میں شرکت تو (شاید آٹھ سال عمر ہی سے) کئی سال کی لیکن تعلیم کی تکمیل اپنے معمّر تر رفیقِ درس امام ابو یوسفؒ کے پاس کی۔ جیسا کہ ابھی آگے بیان ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہ کی اس تدوین فقہ کی انجمن کے کاتب (سکریٹری) کی حیثیت سے کام کیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد بھی انھوں نے تدوینی کام جاری رکھا ہو، اور اس وقت امام محمد نے بھی اس میں مدد دی ہو۔ یا خود ابو حنیفہؒ کے زمانے میں نقل نویس (مددگار کاتب) رہے ہوں۔

عیاضؒ اور داؤد بن نصیرؒ جیسے عابد و زاہد بھی اس میں شریک تھے۔ وکیعؒ جیسے ماہر تفسیر بھی تھے۔ حسن بن زیادؒ جیسے فقیہ اور حفصؒ جیسے ماہر حدیث بھی تھے۔ ان کے علاوہ خارجہ بن مصعبؒ سے ابوحنیفہؒ اکثر مشورہ کرتے[۱] اور عافیہ نامی شاگرد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ فقہی غور و خوض میں شریک رہا کرتے تھے۔ اور اگر کسی دن وہ نہ ہوتے تو ابوحنیفہؒ کہتے کہ بحث کو ابھی مکمل نہ سمجھو چنانچہ عافیہؒ آکر بحث کے نتیجے سے اتفاق کر لیتے تو پھر اس کو ختم سمجھا جاتا[۲]۔ انھیں میں یحییٰ بن زکریا، حبان، مندل، قاسم بن معن بن عبدالعزیز بن حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کے نام بھی ملتے ہیں[۳]۔

امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مسئلہ پیش کرتے اور ہر ایک کی معلومات اس کے حل کے لئے دریافت کرتے اور اپنی رائے بھی پیش کرتے اور مہینہ بھر بلکہ اس سے بھی زیادہ تک مناظرہ جاری رہتا اور جب کسی رائے کے دلائل پوری طرح واضح ہو جاتے تو پھر ابو یوسفؒ اس کو لکھ لیتے[۴] اور دیگر ائمہ کے خلاف امام ابوحنیفہؒ نے انفرادی کوشش اور تنہا استبداد کی رائے کی جگہ اپنے مذہب کو مشورے پر منحصر کر دیا تھا[۵]۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے ایک خاص مسئلے کے متعلق پوچھا کہ صحابۂ کرامؓ تک اس کے متعلق ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے تھے آپ کیسے قطعی رائے ظاہر کرتے ہیں؟ ابوحنیفہؒ نے کہا کیا یہ خیال کرتے ہو کہ میں نے یوں ہی رائے قائم کر لی ہے؟ میں نے خاص اس مسئلے پر پورے بیس سال فکر و غور کیا، اس کی حمایتی چیزیں ڈھونڈیں اور ہر صحابی کے قول کی اصول مسلمہ پر جانچ کی[۶]۔

---

[۱] موفق ۲/۲۲۲ [۲] جواہر عبدالقادر (نمبر ۲ و ۳) [۳] موفق ۲/۱۳۳ صیمری ۱۵۵/۱۵۵ ۱۱۷/۱۱۵
[۴] موفق ۲/۱۳۳ کردری ۱/۱۰۷ [۵] کردری ۲/۱۰۷ موفق ۱/۱۳۳ [۶] کردری ۱/۱۰۰ تا ۱۰۱

ایک دفعہ انھوں نے قیاس کا اصول یوں بیان کیا تھا کہ قیاس ہر ایک چیز میں نہیں چلتا۔ قیاس صرف ان چیزوں میں چلتا ہے جن کا رائے سے ادراک ہو سکتا ہو۔ قیاس کسی طرح ارکان دین کے ثابت کرنے اور اسباب وعلل میں نہیں چلتا بلکہ صرف احکام کے ثبوت کے لئے چلتا ہے[1] اس طرح باب بباب تدوین ہوتی گئی اور انھوں نے سب سے پہلے وضوا ور طہارت کا باب رکھا کیونکہ ایمان کے بعد اسی کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے[2]

اس باب وار تدوین اور کتاب وار ترتیب میں طہارت کے بعد نماز پھر یکے بعد دیگرے عبادات کا ذکر کیا۔ عبادات کے بعد معاملات کے ابواب رکھے اور سب سے آخر میں ترکہ و میراث کا ذکر کیا۔ طہارت و نماز کا ذکر مقدم اس لئے کیا کہ وہ سب سے اہم اور سب سے عام عبادت ہے اور معاملات کو عبادت کے بعد رکھا کیونکہ اصل میں کسی شخص پر معاملات کی کوئی پابندی نہیں ہوتی اور ہر شخص بری الذمہ ہوتا ہے (جب تک کہ اس کا خصوصی ثبوت نہ ملے) اور وصیت اور میراث کو سب سے آخر میں رکھا کیونکہ وہ انسانی احوال میں سب سے آخری چیز ہیں[3]

اس ساری کاوش کی مقدار روز افزوں ہی ہوتی گئی۔ ایک زمانے کے متعلق خوارزمی[4] نے بیان کیا ہے کہ ابو حنیفہؒ نے تراسی ہزار مسئلے وضع کئے جن میں سے اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات سے تھا اور باقی کا معاملات سے[4]

---

[1] کردری $\frac{1}{۱۴۵}$ [2] کردری $\frac{1}{۵۳}$ [3] موفق $\frac{1}{۱۴۴}$

[4] خوارزمی ۔ مناقب قاری ص ۲۴۳

ایک اور زمانے کے متعلق جو شاید آخری عمر کا ہوگا، موفقؒ نے لکھا ہے کہ ان کے وضع کردہ مسئلے پانچ لاکھ تک پہنچ گئے تھے جن میں صرف نحو اور حساب کی ایسی دقیق باتوں کو بھی دخل تھا کہ ان کے استخراج سے عربی زبان کے اور علم جبر و مقابلہ کے ماہروں کے بھی چھکے چھوٹ جائیں۔[1]

کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کیں۔ ان سے پہلے اس پر مستقل بحث کسی نے نہ کی تھی[2]

قانون بین الممالک کو بھی انھوں نے ایک مستقل چیز قرار دیا۔ اور کتاب السیر مرتب کی جس میں قوانین جنگ و امن سے بحث تھی اور اس کو تاریخ سے الگ کر کے فقہی چیز قرار دیا۔ اس پر ہمعصر بحثیں خوب چھڑیں اور امام اوزاعی نے اس کی تردید لکھی۔ ابو یوسفؒ نے اس کا جواب لکھا اور یہ آخری رسالہ الرد علی سیر الاوزاعی کے نام سے اب حیدر آباد میں چھپ چکا ہے۔ محمد شیبانی نے بھی سیر صغیر لکھی اور پھر سیر کبیر اتنی بڑی تھی کہ ایک گاڑی میں ڈال کر لیجائی گئی تاکہ ہارون رشید کو تحفے میں دی جائے[3]

ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس چہارگانہ کے علاوہ ایک مختصر تر دس آدمیوں کی ایک کمیٹی بھی تھی۔ محمد بن وہب جو پہلے اہل حدیث سے تھے بعد میں ابو حنیفہؒ کے معتقد ہو گئے وہ اس کمیٹی کے رکن تھے اور ان دس آدمیوں ہی نے فقہی ابواب مدوّن کئے تھے[4]

---

[1] موفق جلد دوم صفحہ ۱۳۷ تا ۱۳۸ [2] موفق ۱/۱۴۳

[3] مقدمہ ناشر الرد علی سیر الاوزاعی لابی یوسف نیز شرح السیر الکبیر للشیبانی ص۱ میں سرخسی شارح کی تمہید [4] کردری ۲/۱۳۸ تا ۱۴۶ صیمری ورق ۱۴/ب تا ۱۵/الف

صیمری نے ایک خاص الخاص مجلس چہار گانہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ "ابو حنیفہؒ کے حلقہ میں ہمیشہ رہنے والے دس تھے لیکن جس طرح لوگ قرآن کے حافظ ہوتے ہیں اس طرح فقہ کے حافظ ان میں چار ہی تھے۔ زفر بن ہذیل، یعقوب بن ابراہیم، اسد بن عمرو اور علی بن مسعر[1])"

عبداللہ بن مبارک خراسانی تھے مستقل طور سے کوفے میں نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں ابو حنیفہؒ کی ایک ہی کتاب کو کئی کئی بار تحریر کرتا تھا کیونکہ اس میں اضافے ہوتے رہتے تھے جن کو میں لکھ لیا کرتا تھا اُن کی زفرؒ سے بڑی دوستی تھی اور کوفہ آکر اُنہیں سے ابو حنیفہؒ کی کتابیں مستعار لیتے اور نقل کر لیتے تھے[2]

ابو حنیفہؒ کی فقہی کتابوں کا مطلب اصل میں، ان لکچروں کی یادداشتیں ہیں جو مختلف ابواب فقہ پر ہوتے تھے اور جو ان کے شاگرد مُرتب کرتے رہتے تھے۔ محمد شیبانی کے متعلق جو بیان کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے ستائیس ہزار مسائل قیاسی طور سے مدوّن کئے تھے[3] اس میں بہت کچھ اُن کے اُستاد کے لکچروں سے بھی ماخوذ ہوگا۔ امام مالکؒ کا بیان ہے کہ ابو حنیفہؒ نے ساٹھ ہزار مسائل میں رائے ظاہر کی تھی[4] بعض لوگوں نے اس تعداد کو پانچ لاکھ تک پہنچا دیا ہے[5]

چونکہ سیرت النبیؐ خاص کر غزوات کے ذکر کے متعلق ابو حنیفہؒ کے زمانے میں اتنی احتیاط اور چھان بین نہیں کی جاتی تھی جتنی عام حدیث کے متعلق

---

[1] صیمری ورق ۱۳۹ و   [2] موفق ۲/۹۸ صیمری ورق ۱۳۶ ب ۱۳۷ ب ۱۳۸ ب
[3] کردری ۲/۱۵۹   [4] موفق ۱/۹۶   [5] موفق ۲/۳

اس لئے وہ اہل سیرت کے متعلق بدگمان سے رہتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی منع کرتے تھے کہ ابن اسحاق جیسے ماہر فن سے تک نہ ملیں لیکن جب ان کے بعض شاگردوں نے عذر کیا کہ سیرت دانی کے بغیر مقدم و موخر اور ناسخ و منسوخ سوانح نبوی معلوم نہیں ہو سکتے اور سیرت کے مبادی نہ معلوم ہونے سے بڑے سے بڑا فقیہ بھی مضحکہ خیز غلطیاں کر جاتا ہے تو حق پسند ابو حنیفہؒ چپ ہو گئے [1] اور ابو حنیفہؒ کے دونوں سب سے بڑے شاگرد ابو یوسفؒ اور محمد شیبانیؒ تو واقدیؒ جیسے مقابلۃً افسانہ نویس سے تاریخ و سیرت میں مدد لینے میں حرج نہیں سمجھتے تھے [2]

(امام شافعیؒ جیسے ماہر فن نے کیا خوب کہا ہے کہ لوگ پانچ آدمیوں کے محتاج ہیں جو مغازی نبوی میں تبحر چاہتا ہے وہ ابن اسحاق کا محتاج ہے، جو فقہ میں تبحر چاہتا ہے، وہ ابو حنیفہؒ کا محتاج ہے (ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں" جو قیاس و استحسان میں تبحر چاہتا ہے") جو شاعری میں تبحر چاہتا ہے وہ زہیر کا محتاج ہے، جو تفسیر میں تبحر چاہتا ہے وہ مقاتل بن سلیمان کا محتاج ہے اور جو صرف و نحو میں تبحر چاہتا ہے وہ کسائی کا محتاج ہے [3])

طبری نے لکھا ہے" ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جو اینٹوں کو ایک ایک کر کے گننے کی جگہ ان کو پشتاروں میں جماتے تھے اور گز سے ناپتے تھے" [4]

---

[1] موفق ۲/۱۳۱ تا ۱۳۲ کردری ۲/۱۳۷ وفیات الاعیان بن خلکان حالات امام ابو یوسف

[2] موفق ۲/۲۳۹ کردری ۲/۱۴۱ تا ۱۴۲، ۲/۱۵۱

[3] موفق ۲/۱۳۱ نیز صیمری ورق ۱۲۲/ب [4] موفق ۲/۹۷

موفق[1] سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابو حنیفہؒ زمین کے گول ہونے کے بھی قائل تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ دربار خلافت میں کسی معتزلی نے ایک دن ان سے پوچھا کہ زمین کا مرکز کہاں ہے؟ ابو حنیفہؒ نے جواب دیا کہ جس جگہ تو بیٹھا ہے۔ اس پر وہ چپ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ جواب اُسی وقت قائل کر سکتا ہے جب زمین کروی شکل کی تسلیم کرلی جائے (محمد بن یوسف الدمشقی[2] کے بیان کے مطابق خوارج، اباضیہ، صفریہ اور حشویہ، لوگوں سے بصرے میں ابو حنیفہؒ کے بیس سال سے زیادہ عرصے تک مباحثے رہے۔ (دیکھو موفق باب ۱۲ بھی)۔)

اس سرسری تذکرے کے آخر میں ایک سوال کا جواب بے محل نہ ہوگا کہ کس حد تک اسلامی فقہ کی تدوین میں بیرونی اثرات ہیں؟

ایک طرف ہمارے یورپی مولف ہیں۔ اُن کے نزدیک دنیا کی کوئی اچھی چیز کسی مشرقی سے ممکن ہی نہیں اُن کا بیان ہے بلکہ ادعا ہے کہ اسلامی فقہ صرف قانون روما کی معرّب شکل کا نام ہے اور وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان کا جی چاہتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ مجھے علم نہیں کہ بیرون ہند مسلمان ماہرین قانون نے حالیہ زمانے میں اس پر کچھ تحقیق کی ہو۔ ہند کی حد تک امیر علی اور عبدالرحیم نے باوجود اپنی اعلیٰ قابلیتوں کے اس بارے میں کوئی محنت اور کوشش نہ کی اور قانون اسلام پر اپنی تالیفوں میں "ممکن ہے کہ" اور "شاید کہ" وغیرہ الفاظ کے ساتھ چند سطروں میں یوروپی مولفوں کے خیالات ہی کو ذرا نرم پیرائے میں دہرا دیا ہے۔

ایک طرف یہ اور دوسری طرف ہمارے بعض قدامت پرست مولفوں کو

---

[1] جلد اوّل ص۱۱۲۔ [2] عقود الجمان فی مناقب الامام اعظم مخطوطہ شہر قیصری ترکی۔

قانون روما کے نام سے اتنی چڑ ہو گئی کہ اس سے واقفیت بھی پیدا کئے بغیر اسکے وجود
سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اردو کے ایک مشہور مؤلف سے جن کا نام لینے کی ضرورت نہیں؟
یہ لکھنے کی توقع نہ تھی کہ قانون روما صرف ایک ایک سطری بارہ اصولوں کا نام ہے۔ مجلس
دہگانہ کا مرتب کردہ بارہ الواح کا ابتدائی رومی قانون تک بارہ جملوں سے کہیں زیادہ
پر مشتمل ہے۔ بعد کے زمانے میں گایوس اور جسٹی نین کے تدوین کردہ مجموعہ ہائے
قانون بھی کافی ضخیم ہیں۔ اگر فقہ پر قانون روما کا اثر پڑا تو فقہ کی قیمت گھٹ نہیں
جاتی اور اگر اثر نہیں پڑا تو اس کی موجودہ قیمت میں کوئی اضافہ نہیں ہو جاتا۔ بیرونی
اثرات کو نہ تو ہوّا بنا دینا چاہیئے نہ ڈھکوسلا بلکہ واقعات کو دیکھنا چاہیئے کہ
اصل میں کس طور سے پیش آئے تھے میں اوپر اشارۃً بیان کر چکا ہوں کہ فقہ
کی توسیع وارتقاء میں بیسوں بیرونی ماخذوں سے مدد لی گئی ہے۔ قرآن و
حدیث نے جن چیزوں کو حرام کر دیا ہے اُسے کسی بیرونی اثر نے جائز نہیں بنایا
اور جو چیزیں واجب قرار دی گئی تھیں بیرونی اثرات کبھی ان کو مسلمانوں کے
نزدیک ناجائز نہیں قرار دے سکے۔ صرف جن چیزوں سے قرآن و حدیث ساکت تھے
ان کے متعلق معقول روایات جو قرآن و حدیث کے الفاظ اور روح کے خلاف
نہ تھے قبول کئے گئے یا جاری رہنے دیئے گئے۔ خود قرآن نے حضرت موسیٰ و عیسیٰ
وغیرہ ایک درجن سے زائد پیغمبروں کا نام لے کر آخر میں حکم دیا کہ فبھداھم اقتدہ
(ان کی ہدایت پر چلو) اسی طرح جب پیغمبر اسلام کے متعلق لکم فی رسول اللہ
اسوۃ حسنۃ کے الفاظ استعمال کئے تو بعینہٖ یہی الفاظ حضرت ابراہیم کے
متعلق بھی اور عام طور پر دیگر پیغمبروں کے متعلق بھی قرآن نے استعمال کئے۔
توریت و انجیل وغیرہ کی قانونی حیثیت قرآن نے تسلیم کی تو ان کے متعلق پیغمبر
اسلام کا یہ طرز عمل بخاری، ترمذی وغیرہ میں مروی ہے کہ اگر کسی بات کے متعلق

آپ کو راست وحی نہ آتی تو آپ اہل کتاب کے رواج پر عمل کرنا پسند کرتے۔ مسند احمد بن حنبل[1] میں ایک اور دلچسپ حدیث غیر اہل کتاب کے متعلق اس مفہوم میں مروی ہے کہ اسلام میں زمانہ جاہلیت کی اچھی باتوں پر عمل کیا جائے گا۔ حج جیسے رکن اسلام کے متعلق کون نہیں جانتا کہ وہ بجنسہٖ زمانہ جاہلیت کا ادارہ ہے جس کی اسلام میں مشرکانہ نامنا سب رسمیں حذف کردی گئیں اور یہ کہنا دشوار ہے کہ زمانہ جاہلیت کی جن چیزوں کو اسلام نے برقرار رکھا وہ سب کی سب انبیاءِ سلف اور خاص کر حضرت ابراہیمؑ کی سنت تھیں۔ خون بہا کے سو اونٹ کے متعلق سب جانتے ہیں کہ عبدالمطلب نے ایک کاہنہ کی تجویز پر قبول اور رائج کئے تھے۔ غرض اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ خود مشرک عربوں کے اپنے رواجات میں بھی کچھ معقول چیزیں تھیں جن کو اسلام نے جاری رہنے دیا ہو۔ عہد نبوی کے بعد مسلمان مختلف ممالک میں پھیلے تو ان کو ناگزیر نئی نئی ضرورتوں اور نئے نئے رواجات سے سابقہ پڑا اور فقہا نے یقیناً ان میں سے چند کو جو معقول تھے اور قرآن وحدیث کے غیر معارض، جاری رہنے دیا کہ قبول کرکے فقہ کا جز بنا دیا۔ ان حالات میں اگر غریب قانون روما کا بھی کچھ اثر پڑا تو کونسی نئی بات ہوگی؟ میں تو کہتا ہوں کہ شام ومصر کے ابتدائی فقہا نے رومی رواجات قبول کئے ہوں گے تو عراق و ایران کے فقہا نے ایرانی روایات، اسپینی فقہا نے اندلسی اور گاتھک رواجات اور ہندی فقہا نے دھرم شاستر سے متاثر رواجات۔ یقیناً یہ تمام رواجات صرف ان چیزوں کے متعلق قبول کئے گئے جن کے متعلق قرآن وحدیث خاموش تھے

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد سوم صفحہ

اور جن کے خلاف کوئی صریح حکم نہیں تھا۔ فقہا نے یہ رواجات معقول اور
قیاساً درست سمجھے اور قرآن وحدیث کے مطابق ہونے کے باعث قبول کئے۔
جب ہم یہ سب ماخذ تسلیم کرنے آمادہ ہیں تو خود ہی یہ سوال حل ہوجاتا ہے
کہ قانون روما کا حصہ کتنا تھا۔

لیکن اسی قدر نہیں۔ بعض اور چیزیں وضاحت چاہتی ہیں۔ اسلامی
قانون کو مکے اور مدینے کے رواجات سے سب سے پہلے سابقہ پڑا خاص کر مدینے
میں یہودی کثرت سے رہتے تھے مکے کے لوگ تجارت کے لئے جہاں شام و مصر و
حبشہ جاتے تھے، وہیں وہ عراق اور یمن اور عمان بھی جاتے تھے۔ شام و مصر میں
رومی اور عراق میں ایرانی حکومت کے قوانین سے وہ دوچار ہوتے تھے یمن جس
نے بعد میں اسلامی قانون کی ترقی میں بڑا حصہ لیا ہے ایسا علاقہ تھا جس میں
نہ صرف ایک اس کا اپنا نہایت قدیم تمدن تھا بلکہ وہ یکے بعد دیگرے اسلام
سے کچھ ہی پہلے یہودیوں، حبشیوں، رومیوں اور ایرانیوں کی حکومت میں رہ
چکا اور ہر ایک سے کچھ نہ کچھ تاثرات حاصل کرچکا تھا۔ حجاز، یمن، بحرین، عمان
وغیرہ ساحلی علاقوں کو چھوڑ کر اندرون عرب میں بے شبہہ اجنبی اثرات ناپید سے
تھے۔ لیکن عہد نبوی میں اسلامی مملکت نے بیرون میں پھیلنے کا جو آغاز کیا وہ
دس پندرہ ہی سال بعد حضرت عثمان کے زمانے میں مغربی چین سے لے کر
اندلس کے کچھ حصے تک پہنچ گئی اور اس وسیع مقبوضہ علاقے میں صرف رومی
قانون رائج نہ تھا بلکہ بہت سے دیگر مستقل تمدن بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے عراق
میں قدیم ایرانی قانون مالگزاری باقی رہنے دیا تھا جیسا کہ مسعودی کا بیان ہے
اور کوئی تعجب نہیں جو شام و مصر میں رومی نظام جزءً باقی رکھا گیا ہو۔
حضرت عمرؓ نے خاص کر چنگی وغیرہ مسائل کے لئے حکم دے رکھا تھا کہ

بیرونی مسافروں سے وہی برتاؤ کیا جائے جو اُن کے ملک میں مسلمان مسافروں کے متعلق ملحوظ ہو۔ جیسا کہ امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الخراج میں تصریح کی ہے۔

خصوصی معاہدات کے ذریعے سے بھی قانون انتظامی کے مختلف اجزا خلافت راشدہ اور اس کے بعد ہمیشہ نافذ ہوتے رہے۔ کوفہ شیعیت کا مرکز تھا اور یہ ایرانی علاقے میں تھا۔ بنی امیّہ برسر اقتدار آئے تو شیعی امام زیادہ تر حجاز میں رہے۔ وہاں رومی اثرات معدوم کہے جا سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ وہ ایرانی النسل ورنہ کم از کم ایرانی الوطن تھے اور اُن کی زندگی زیادہ تر کوفہ، مکہ، بغداد کے غیر رومی علاقوں میں گزری اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کتب قانون روما کا راست یا بالواسطہ کبھی اس دور میں عربی میں ترجمہ ہوا ہو۔ قانون اسلام سے بیرونی اثرات کو کم کرنے کے لئے ابتدا ہی سے ایک انقلابی اصول قرآنی احکام کے تحت نافذ کر دیا گیا تھا کہ ہر مذہب کے لوگ اپنے قانون شخصی کے پابند رہیں اور ان کو علی گستری ان کی اپنی خصوصی عدالتوں میں ان کے اپنے ہم مذہب حکام کے ہاتھوں ہو۔ اور اسلامی قانون کے وہ پابند نہ ہوں۔

میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کم از کم ابتدائی فقہی کتابوں کی ترتیب ہی قانون روما کے مماثل ہو۔ قانون روما زمانہ قبل مسیح ہی سے عبادات کو معاملات سے الگ کر چکا تھا اور بنیادی معاملات کا قانون اشخاص اشیا اور ضابطہ PERSONS, THINGS & ACTIONS کے تین حصوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کی ترتیب عبادات معاملات اور جنایات کے تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی جس میں قوانین عمومی یعنی دستور اور انتظام مملکت بھی شامل تھے اور ان کی یہ ترتیب رومی قانون کی ترتیب سے بنیادی اختلاف رکھتی ہے۔ ابو حنیفہؒ کا زمانہ بنی اُمیّہ کے اور بنی عباس

کے ابتدائی دور پر مشتمل تھا۔ اور ابھی یونانی علوم و فنون کا زیادہ ترجمہ اور رواج نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی جو کچھ رواج ہوا ہوا اس سے ممکن تھا کہ چند فنی اصطلاحیں لی گئی ہوں لیکن منطق و فلسفہ، طب و نجوم، کلام و جغرافیہ وغیرہ کے برخلاف اصول فقہ میں کوئی معرب اصطلاح کسی زمانے میں نہیں ملتی نہ لاطینی نہ یونانی نہ فارسی نہ کوئی اور جتنے بھی الفاظ ہیں وہ قدیم عربی ہی کے مروج الفاظ ہیں اور اکثر قرآنی الفاظ ہیں۔ مثلاً فقہ، شرع، سنت وغیرہ جن کو اصطلاح کی حیثیت دی جانے لگی تھی۔ معاملات و کاروبار تجارت میں چند غیر عربی اصطلاحیں ملتی ہیں لیکن وہ بھی غالباً اسلام سے پہلے ہی عربی میں آچکی تھیں۔ مگر یہ فارسی تھیں۔

امام مالکؒ نے موطا میں ابواب کی جو ترتیب رکھی ہے وہ امام ابو حنیفہؒ کی ترتیب سے مختلف ہے اور عبادات و معاملات سب خلط ملط ہیں۔ مجھے امام زید بن علیؒ کے مجموع الفقہ کو اس مضمون کے لکھتے وقت مکرر دیکھنے کا موقع نہ ملا لیکن اس کی بھی ایک مستقل ترتیب ہے گو وضو یا نماز ہر ایک کے ہاں سب سے مقدم ہے۔ کیونکہ حدیث نبوی میں اسے دین کا ستون قرار دیا گیا تھا۔ ان تینوں ہمعصر فقہاء کی تالیفوں میں ابواب کی ترتیب کا بے انتہا اختلاف بتاتا ہے کہ ترتیب میں بھی ان کے سامنے کوئی بیرونی نمونہ نہ تھا اور ہر کوئی اپنی ذہنی جولانی سے اپنے لئے کوئی خاکہ پسند کر رہا تھا۔ امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ کا زمانہ نسبتہً بہت بعد کا ہے ان سے یہاں بحث کی ضرورت نہیں البتہ یہ قابل ذکر ہے کہ رومی ترتیب کسی بھی اسلامی فقیہ نے اختیار نہیں کی قانون روما اور قانون اسلام میں بنیادی فرق بھی کم نہیں۔ رومی بت پرست اور مشرک تھے تو مسلمان وحدانیت کے لئے اُٹھے۔ روما میں پدری سطوت

معاشرتی نظام کی بنیاد تھی[1]۔ عربوں میں یہ چیز نہ زمانہ جاہلیت میں تھی نہ زمانۂ اسلام میں۔ قانون روما اس قدر لکیر کا فقیر تھا کہ اس کی دل برداشتہ کرنے والی ضابطہ پرستی TEDIOUS FORMALITIES کبھی بھی دور نہ ہو سکی۔ مثال کے طور پر گایوس کے نسبتہً جدید (دوسری صدی عیسوی کے) مجموعۂ قانون میں حکم ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی درخواست میں انگور کی بیل لکھے تو مقدمہ خارج ہو جائے کیونکہ قانون دوازدہ الواح میں انگور کے درخت کی اصطلاح آئی ہے[2]۔ مقدمہ بازی میں دعویٰ اور جواب وغیرہ میں الفاظ بلکہ حرکات تک ناقابل تبدیل تھے[3]۔

خود جس چیز کو رومی قانون کہا جاتا ہے وہ بھی خالص رومی چیز نہیں ہے، بلکہ غیر قوموں سے تماس نے "قدیم پست" PRIMITIVE قواعد کو بدلنے پر آمادہ کیا۔ آخر افریقہ سے تجارت پھر ایشیائے کوچک کے تمدن سے سابقہ مشرقی اثرات کو رفتہ رفتہ قانون روما میں رچانے اور اسے مہذب بنانے کا باعث ہوتے گئے[4]۔

ابتدا میں قانون روما فاس FAS یا قانون مراسم مذہبی پر مشتمل تھا اور دیوتا ہر انسانی معاملے میں دلچسپی لیتے سمجھے جاتے اور پجاری برا جتا تھا ۳۰۰ تا ۲۰۰ ق م میں قانون دنیاوی JUS کو الگ کر کے اس کا تعلق کشوری

---

[1] پوسٹ کا مقدمۂ انسٹیٹیوٹ آف گایوس صہ ۱۲
[2] گایوس ۴/۱۱ [3] پوسٹ صہ ۲۲۳
[4] پوسٹ صفحہ ۴۳ تا ۴۵ انسائیکلوپیڈیا آف سوشیل سائنس عنوان کارپس جورس سویلیس۔

انتظامات سے کر دیا گیا۔ چنانچہ مجلس دہگانہ نے قانون دوازدہ الواح مرتب کیا جس میں کاروبار کے متعلق احکام تھے[1] رفتہ رفتہ حکمرانوں نے قانون سازی کے اختیارات حاصل کر لیئے۔ اِسلام میں پجاریوں کا نظام کبھی آیا ہی نہیں اور قرآن و حدیث کے خلاف قانون سازی کا کبھی کسی کو اختیار رہی نہیں ملا۔ قانون روما میں نکاح اور غلامی کے متعلق جو اخلاق سوز اور ظالمانہ احکام تھے وہ اسلام میں کبھی نہ آئے۔ نکاح اور غلامی کے متعلق بہت سے اسلامی ادارے قانون روما میں کہیں نہیں ملتے گو چند ادارے مشترک ضرور ہیں۔ لیکن وہ نئے نہ تھے بلکہ قدیم سے عرب میں رائج تھے یا پیغمبر اسلام نے ان میں اصلاح کی تھی۔

بے شبہہ ابتدائی فقہی کتابوں کے نام مثلاً مجموع، جامع، مدونہ، مبسوط، اصل، ام، حاوی CODE, COMPENDIUM, PANDECTS, PRINCIPLES, INSTITUTES, CORPUS وغیرہ کے ہم معنی معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک تو یہ ممکن ہے کہ اِس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے عرب مولفوں کے ذہن میں یہ نام خود ہی آئے ہوں کیونکہ عربی میں اُن کے سوا کوئی اور نام ہو بھی نہیں سکتے اور دوسرے جسٹی نین کے تدوینات بھی جو پورے قانون روما پر حاوی ہیں امام مالکؒ یا امام محمد شیبانیؒ کی کتابوں سے حجم یا تنوع میں کچھ بہت بڑھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ عبادات کو مقابلے سے حذف بھی کر دیں تو معاملات میں ایسے بہت سے ابواب ہیں اِن اسلامی کتابوں میں ملتے ہیں جن کا ذکر قانون روما میں بالکل نہیں ہے۔ امام محمد کی کتاب

---

[1] پوسٹ صفحہ ۱۱۔۲۱

المبسوط اگر چھپ جائے تو دو ڈیڑھ ہزار صفحوں سے کم میں نہ آئے۔ موطا امام
مالک کے مختلف ایڈیشن بھی خاصے بڑے ہیں اور یہ بالکل ابتدائی فقہی کتابیں
ہیں ورنہ پانچویں صدی ہجری میں سرخسی نے امام محمدؒ کی کتاب کے خلاصے کی
جو شرح مبسوط کے نام سے لکھی وہ بڑی تقطیع کی پوری تیس جلدوں میں چھپ
سکی اور ہزار سالہ ارتقاء پر جسٹی نین نے پچاس ابواب کا جو ڈائجسٹ مرتب
کرایا اس سے صرف سو سالہ ارتقاء پر قانون اسلام تنوع کی حد تک اچھی طرح
مقابلہ کر سکتا ہے بلکہ بہت سے اُمور میں زیادہ مہذب اور موافق اخلاق ہے۔
غور کرنے پر یہ بھی نظر آتا ہے کہ اگرچہ بنی اُمیّہ کا پایۂ تخت دمشق رومی علاقے میں
تھا، لیکن ان کے زمانے میں اہل علم و قلم یا تو حدیث کو جمع اور مرتب کرنے میں
منہمک رہے یا ادبیات یا صرف نحو پر توجہ کی۔ فقہ سے شوق عہد بنی عباس میں
شروع ہوا جو ایرانی ماحول میں رہتے تھے اور بغداد میں اپنا پایۂ تخت منتقل کر چکے
تھے لیکن بدقسمتی سے ایرانی قوانین کے متعلق جدید ترین مغربی تحقیقات بھی یہ
ہے کہ وہ قانون روما کے مقابل بہت فرومایہ تھے مجھے نہیں معلوم کہ اُن کے
آئین نامہ وغیرہ کی ترتیب و کیفیت کیسی تھی۔ ولسن وغیرہ کی تحقیق میں تو عہد
نبوی اور آغاز اسلام کے وقت مشرق میں قانون روما سرے سے رائج ہی
نہ تھا۔ اور مشرقی رواجات اور پادریانہ تحکیمات ہی کا دور دورہ تھا قانون
روما کا احیاء صدیوں بعد نشاۃ ثانیہ میں شروع ہوا۔ چنانچہ :۔

It may be doubted whether Justinian's immediate subjects derived any very great benefit from the Corpus Juris. Most of it was in Latin, whereas the bulk of them spoke Greek, and some Syriac or Arabic. It was repeatedly and capriciously altered by the legislator

himself during the last thirty years of his reign. And there are other reasons for supposing that the Imperial enactments of this period seldom made themselves felt much beyond the chief centres of administration, and that in the outlying districts of the Eastern provinces the regular tribunals were less resorted to than clerical arbitrators, the bishops and presbyters of the different sects, whose legal notions were derived at second or third hand from the older Roman law sources with an admixture of other elements.

ترجمہ :-

"یہ امر مشتبہ ہے کہ جسٹی نین کی اصلی رعایا نے اس کے مجموعۂ قوانین سے کوئی بہت بڑا فائدہ اٹھایا ہو۔ کیونکہ ان قوانین کا بڑا حصّہ لاطینی زبان میں تھا اور رعایا میں سے اکثر یونانی بولتے تھے اور کچھ سریانی یا عربی۔ پھر خود قانون ساز ہی اپنی حکومت کے آخری تیس سالوں کے دوران میں بار بار اور محض بے اصولی کے ساتھ ان قانونوں کو بدلتا رہا۔ ان کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن کی بناء پر یہ رائے قائم کرنی پڑتی ہے کہ اس عہد کے شہنشاہی قوانین بڑے بڑے مستقر ہائے نظم و نسق کے باہر محسوس بھی نہیں ہوتے تھے اور مشرقی صوبوں کے دور دراز اضلاع میں باقاعدہ عدالتوں میں لوگ اتنا رجوع نہیں ہوتے تھے جتنا پادریوں، اسقفوں،

اور مذہبی افسروں کے پاس ثالثی کے لئے اور ثالثوں کے قانونی تصورات قدیم قانون روما کے ماخذوں پر دوسرے یا تیسرے واسطے سے مبنی تھے اور ان رومی ماخذوں میں بھی دیگر عناصر شامل تھے۔"

غرض قانون اسلام پر قانون روما کا اثر پڑا یا نہیں، اس سوال کے جواب میں تائید میں صرف ایک امکان پیش کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اپنے قانون کی ترقی و تدوین کے آغاز ہی میں ان علاقوں پر قبضہ کر لیا جہاں پہلے رومی یعنی بیزنطینی حکومت تھی۔ اس علاقے کے نومسلموں کا اور عام طور پر اس علاقے کے رواجات سے قرآن و حدیث کے سکوت کے وقت فقہا کا مسائل اخذ کرنا ممکن[1] ہے اس ایک امکان کے مقابل بارہ واقعات ناقابل نظر انداز ہیں۔

۱۔ مرجع قانون اسلامی یعنی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو وہ زبانیں آتی تھیں جن میں قانون روما لکھا ہوا تھا اور نہ آپ کا قیام

---

[1] کردری (جلد دوم صفحہ ۱۴۳) نے امام محمد شیبانیؒ کے متعلق یہ بے شک لکھا ہے کہ ان کے سامنے پانی سے بھرا ایک طشت رہا کرتا تھا اور دس یونانی لونڈیاں (جوار رومیات) جو عربی خط اور عربی زبان سے واقف تھیں حاضر رہا کرتیں۔ وہ مطلوبہ معلومات پڑھ کر سنایا کرتیں۔" ظاہر ہے کہ اسلامی ماحول میں پرورش پائی ہوئی ان لڑکیوں کو رومی قانون کا کیا علم ہوگا۔ مگر امام محمد شیبانیؒ نے دیگر ہمعصروں کے مقابلے جو بہت ضخیم کتابیں لکھی ہیں اس کا راز اس طرح کھلتا ہے کہ ان کو مسودہ، مبیضہ، تلاش سب خود ہی کرنا نہیں پڑتا تھا بلکہ مددگار موجود تھے۔ (طاش کوپری زادہ کی مفتاح السعادہ ۲/۱۱۰ میں بھی یہ ذکر ہے)۔

اِن علاقوں میں رہا جہاں وہ قانون رائج تھا۔

۲۔ اسلامی قانون کی بنیاد اولاً اپنی پیدائش گاہ کے رواجوں پر ہونی چاہیئے۔ حجاز میں رومی اثرات کبھی نہ آئے۔

۳۔ تمام ابتدائی اسلامی مذاہب فقہ حجاز یا عراق یعنی غیر رومی علاقوں میں پیدا ہوئے اور پھلے پھولے، واحد استثناء امام اوزاعی کا سمجھا جاتا تھا مگر یہ سندھی الاصل تھے، بیروت کی فوجی رباط میں قیام اواخر عمر میں کیا تھا۔

۴۔ بے شبہ اموی دور میں دارالخلافہ دمشق کے رومی علاقے میں تھا لیکن اموی دَور میں فقہ سے زیادہ تفسیر حدیث، تاریخ، طب وغیرہ پر توجہ ہوئی۔ فقہ کا مرکز اموی دور میں بھی کوفہ اور حجاز ہی تھے۔ عباسی دَور میں فقہ سے توجہ ہوئی تو دارالخلافہ عراق میں منتقل ہوگیا تھا۔

۵۔ منطق، فلسفہ، جغرافیہ، طب الٰہیات، ریاضی وغیرہ کے برخلاف فقہ میں کسی زمانے میں بھی معرّب اصطلاحیں نہیں ملتیں بلکہ سب کی سب خالص عربی اصطلاحیں ہیں جو قرآن یا حدیث کے الفاظ سے ماخوذ ہیں۔

۶۔ اور علوم کے برخلاف فقہ کی تدوین و ترقی کے زمانے میں قانون کی کسی بیرونی کتاب کے عربی میں ترجمے کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور نہ ایسے فقہا ملتے ہیں جو رومی قانون کی کتابوں کو پڑھنے کے لئے اجنبی زبانوں مثلاً لاطینی، یونانی، سریانی سے واقف ہوں۔

۷۔ قریب قریب تمام مشہور فقہا غیر رومی علاقوں سے پیدا ہوئے، حجاز کے بعد سب سے زیادہ ایران اور ترکستان نے فقہا کو پیدا کیا۔ یہاں ایرانی اور بدھی قانون تو ہوں گے لیکن رومی اثرات نہیں۔

۸۔ حضرت عمرؓ نے جنگی اور مالگزاری کے قواعد غیر رومی علاقوں سے اخذ کئے تھے۔ جزیہ تک بھی قدیم ایران میں ملتا ہے، رومی علاقوں میں نہیں قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی ایران میں تھا۔ کم از کم موبذ موبذان۔ عدالتی کام بھی کرتا تھا۔

۹۔ قرآن نے صراحت سے حکم دیا ہے کہ ذمی رعایا کو قانونی اور عدالتی خود مختاری حاصل رہے۔ اس پر عہد نبوی ہی سے عمل شروع ہو گیا اور عثمانی ترکوں تک باقی رہا۔ اس کا ناگزیر نتیجہ مسلمانوں اور ذمیوں کے نظام ہائے قانون کی ایک دوسرے سے جدائی اور باہم عمل و ردِّ عمل سے علاحدگی رہی۔

۱۰۔ فتوحاتِ اسلامی کے آغاز ہی پر مسلمانوں نے وقت واحد میں ایرانیوں، اور رومیوں دونوں پر ایک ساتھ حملہ کر کے دونوں کو ایک ساتھ زیر کیا تھا یہ کہنا کہ مفتوحوں میں صرف رومیوں کا اثر فاتحین پر پڑا اور اسپین سے چین تک اور آرمینیا سے ہندوستان تک جو دیگر مفتوح اقوام تھے ان کے رواجات کا اثر نہ پڑا محض ترجیح بلا مرجح ہے۔

۱۱۔ اسلامی تمدن اور رومی تمدن میں بنیادی فرق بھی بہت ہیں، جہاں تک میں تقابلی مطالعہ کر سکا عبادات (یعنے توحید، نماز، روزہ، حج، زکات) تعزیرات، مالیات، قرض و سود، وراثت، نکاح، نسب، خلع، غلاموں کی آزادی، عدل گستری، قانون بین الممالک وغیرہ میں کوئی مماثلت نہیں ملتی۔ لے دیکر حصہ معاملات کا رہ جاتا ہے، ان کی مماثلت کے اسباب کی تلاش سے قطع نظر غیر مماثل اجزا کے وجود سے آشنا تو ضرور

ثابت ہوجاتا ہے کہ قانون اسلامی کے بہت بڑے حصے پر قانون روما
کا بالکل اثر نہیں ہے۔

۱۲۔ آغازِ اسلام پر قانون روما مشرقی رومی یعنی بیزنطینی سلطنت میں رائج
ہی نہ تھا بجز چند صوبہ دار صدر مقاموں کے اور پادریوں نے عدل گستری
اور تحکیم و ثالثی اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اور مذہبی یا خود غرضانہ وجوہ سے
غیر عیسائی رومی قانون سے رجوع کرنا پسند نہ کرتے تھے۔

میں نے ایک مستقل مقالے[1] میں یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ قانون
روما کے اثرات قانونِ اسلامی پر ہوئے یا نہیں؟ میں مذکورہ بالا خلاصۂ دلائل
سے اس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہوں کہ فقہائے بیرونی مصادر سے استفادہ
ضرور کیا لیکن ان بیرونی مصادر میں قانون روما کا حصہ اتنا کم ہے کہ اسے
کوئی خصوصی اور امتیازی جگہ نہیں دی جا سکتی اور شاید یہ کہنا بہت زیادہ
مبالغہ نہ ہوگا کہ قانونِ اسلام کے بیرونی اثرات میں قانون روما کا حصہ مشکل
سے سوّاں حصہ $\frac{1}{100}$ ہوگا۔ فقط

---

[1] میرا مقالہ موتمر مستشرقین ہند کے اجلاس حیدرآباد (۱۹۴۱ء) میں انگریزی
میں "رومی قانون کا اثر اسلامی قانون پر"

تتمہ

جو چیزیں کاپیوں کی کتابت مکمل ہونے کے بعد ملیں ان کو یہاں بحوالۂ مقاماتِ متعلقہ یکجا درج کیا جاتا ہے۔ موجودہ ایڈیشن کے ناظرین سے التماس ہے کہ اس زحمت کو معاف فرمادیں۔

صفحہ ۱۷، سطر ۳ | "مکہ سے ہوا" کے بعد اضافہ طلب:

وہاں شروع میں 'جرہم' اور کچھ عرصہ بعد خُزاعہ قبائل کے لوگ اسماعیلیوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے۔

ص ۱۷/ ۵ | لفظ "فلسطین" پر ایک حاشیہ:

؎ حضرت ابراہیمؑ کا وطن عراق تھا۔ کافر باپ نے گھر سے نکالا تو بیوی حضرت سارہؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مصر گئے۔ وہاں کے بدکار بادشاہ نے معجزے دیکھے تو توبہ کی اور اپنی بیٹی حضرت ہاجرؓ خدمت گزاری کے لئے حضرت سارہؓ کو بطور تحفہ پیش کی۔ پھر حضرت ابراہیمؑ فلسطین میں آبسے جہاں مصری بیوی حضرت ہاجرؓ سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے جو خدا کے حکم سے، ماں کے ساتھ، مکہ جابسے اور وہاں قبیلۂ جُرہُم میں نکاح فرمایا انھیں کی اولاد سے قریش کا قبیلہ وجود میں آیا۔ پھر جُرہمیوں کو قبیلۂ خُزاعہ ایک جنگ میں شکست دے کر مکے پر قابض ہوگیا۔ اسماعیلی اب خزاعیوں سے رشتہ داریاں کرنے لگے۔

ص ۱۷/ ۱۵ | لفظ "حِلف الفضول" پر ایک حاشیہ:

؎ دیکھو السہیلی کی الروض الأنف ۱/۹۱، نیز دائرۂ معارف اسلامیہ

مطبوعۂ لاہور جلد ۸ میں مادۂ "حلف الفضول"

ص ۱۸/۲ | لفظ "عمان" پر ایک حاشیہ :

۔ یمن کے سفروں کے لئے دیکھو تاریخ طبری طبع یوروپ $\frac{1}{1129}$، اور سفر بحرین وعمان کے لئے مسند ابن حنبل جس کا نیچے ذکر آئے گا۔

ص ۱۸/۱۱ | لفظ "جو نیر رکن" پر ایک حاشیہ :

۔ کسی پیغمبر سے اس کے خاندان کو عزت حاصل ہوتی ہے، ذکر خاندان سے پیغمبر کو، "جونیر گھرانے" سے منشا یہ ہے کہ شروع میں جب قُصَی نے شہری مملکت قائم کرکے اس کا نظم ونسق اپنے بعد اپنے بچوں میں بانٹا تو ابھی قبیلہ بنی ہاشم کا وجود نہ تھا۔ کئی نسلوں بعد اپنے چچا زاد بھائیوں سے الگ ہو کر یہ ایک مستقل قبیلہ بنا تو نظم ونسق میں اسے کوئی حصہ، کوئی عہدہ حاصل نہ تھا، پھر ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب کو چاہ زمزم کی دریافت پر اس کنویں کی نگرانی حاصل ہوئی اور بس۔ خانۂ کعبہ، فوج، عدالت، پارلیمانی مشورت وغیرہ کے عہدے دوسرے گھرانوں میں متوارث رہے۔ رہا "جونیر رکن"، اس کا مطلب یہ ہے کہ خود حضور اکرمؐ کے قبیلے کی سرداری چچاؤں میں رہی اور ابو طالب کے بعد ابو لہب کو حاصل ہوئی، خود حضورؐ کو نہیں۔

ص ۱۸/۱۶ | لفظ "استنباط" پر حاشیہ :

۔ کیونکہ اس خط میں لکھا تھا : "میں تیرے پاس اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو بھیج رہا ہوں جب وہ تیرے پاس پہنچے تو ان کی مہمانداری کر ....."

ص ۱۹/ حاشیہ | حاشیے میں اضافہ ہو کر :

نیز اس موضوع پر میرا ایک باتصویر مفصل فرانسیسی مضمون رسالۂ "فرانس اسلام" پاریس میں۔

ص ۲۰/۹ | لفظ " ترمذی " پر ایک حاشیہ :

؎ خاص اس حدیثِ معاذ پر شام کے فاضل شیخ زاہد الکوثری نے ایک مستقل رسالہ لکھ کر اس حدیث کے سارے ماخذ بتائے ہیں۔ اس میں امام شافعیؒ کا " الرسالہ " بھی بڑھانا چاہیئے۔ یعنی امام شافعیؒ تک اس حدیث کو صحیح اور قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں۔

ص ۲۱/۴ | لفظ " واقعہ تھا " پر ایک حاشیہ :

؎ حضرت عمرؓ کے زمانے کی چار پانچ نظیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی قاضیوں کو یہی کرنا پڑتا تھا۔

ص ۲۲/حاشیہ | سطر اول میں لفظ " خلافت " کے بعد یہ بڑھائیں کہ :

امام حسن عنہ کے پڑپوتوں محمد بن عبداللہ بن الحسن اور ان کے بھائی ابراہیم کی طرف سے

ص ۲۲/حاشیہ | سطر (۱۰) ، داہنے کالم میں " نبیّھم " کے بعد بڑھائیں :

وقرّب ھذا الأمر إلی أھل بیتہ ۔ أعانك اللہ علی ما ولّاك ، وألھمك الشکر علی ما خوّلك ، وأعانك علی ما استرعاك "

ص ایضاً | وہیں بائیں کالم کی گیارھویں سطر کے بعد بڑھائیں :

اور اس حکمرانی کو اہل بیت رنبوی) سے قریب کیا ، اللہ تجھے اس کام میں مدد دے جو تیرے سپرد کیا ہے ، اور جس چیز سے تجھے نوازا ہے اس کی شکرگزاری تجھے الہام فرمائے اور جس فریضے کے لئے تجھے بلایا ہے اس کی انجام دہی میں تیری مدد فرمائے۔

ص ۲۳/حاشیہ | سطر (۷) میں لفظ " یاقوت " کے بعد بڑھائیں

معجم الادباء (ارشاد الاریب) ۔

ص ۲۲/حاشیہ | سطر (۸) میں "ہے" کی جگہ لکھیں :

ہے۔ چنانچہ سمعانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ عمر بن ابراہیم بن محمد کہا کرتے تھے کہ میں ول

تو میں زیدی مذہب کا۔ لیکن مذہب السلطان (حنفی مذہب) کے مطابق

فتوے دیتا (اور فیصلے کیا کرتا) ہوں۔

ص ۲۴/۱۰ | لفظ "دی ہے" کے بعد اضافہ کیا جائے :

جس کا فرانسیسی سے عربی میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

ص ۲۶/حاشیہ ۴ | حاشیے کے آخر میں اضافہ کیا جائے :

نیز میری کتاب الوثائق السیاسیہ مطبوعہ بیروت میں وثیقہ ۳۱۴/الف

ص ۲۷/حاشیہ (۱) | حاشیے کے آخر میں بڑھائیں :

الحاکم نے اپنی المستدرک میں یہ حدیث کی ہے کہ وہ انھیں صحیح معلوم ہوتی ہے،

لیکن اس کتاب کے شارح امام ذہبی نے اسے موضوع (جعلی) قرار دیا ہے اور

ابن حجر نے اپنی تہذیب التہذیب میں کوئی سند دیئے بغیر خاموشی سے اس کا

ذکر کیا ہے۔ جو بھی ہو، حضرت علیؓ کے علم و فضل سے کسے انکار ہو سکتا ہے؟

ص ۲۹/۱۲ | لفظ "مولا" کے بعد بڑھائیں :

یعنی آزاد کردہ غلام

ص ۲۹/۱۷ | لفظ "آپ کے بعد بھی" پر ایک حاشیہ بڑھائیں :

سہ میری کتاب "صحیفہ ہمام بن منبہ" کے مقدمے میں اس کی خاص تفصیل

ملے گی۔ یہ کتاب عربی فرانسیسی، انگریزی اور ترکی کی طرح اردو میں بھی

موجود ہے۔

ص ۳۱/حاشیہ (۱) | حاشیے کے آخر میں بڑھائیں :

امام مالک کے ایک شاگرد عبدالرحمٰن بن القاسم بھی تھے جن سے فلاح عقلیہ

قاضی اسد بن فرات نے تلمذ حاصل کیا تھا اور ابن خلدون نے (مقدمہ، باب ۶) میں صراحت کی ہے کہ قاضی اسد نے حنفی علماء ہی سے تعلیم پائی تھی۔ مشہور مالکی فقیہ سحنون انھیں اسد کے شاگرد رشید تھے۔

ص ۳۲/۱۱ | لفظ "دیا جاتا تھا" کے بعد بڑھائیں :

اس کے چند سال بعد خلیفہ حضرت عمرؓ نے والئ بصرہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو جو مشہور عالم ہدایت نامہ بھیجا وہ محفوظ ہے اور غیر مسلم مستشرق بھی اس پر سر دھنتے ہیں کہ اتنے قدیم زمانے میں اتنے ماڈرن حکم کیسے دیئے گئے ؟

ص ۳۲/۱۳ | لفظ "یکجا کیے گئے تھے" کے بعد بڑھائیں :

خود حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے فتوے بھی کتابی صورت میں مدوّن ہوئے تھے اور ان دونوں کے فتووں کی کتابیں کم از کم پانچویں صدی ہجری تک موجود تھیں جیسا کہ ابو الحسین البصری نے اپنی کتاب المعتمد میں لکھا ہے۔

ص ۳۴/۳/حاشیہ | آخر میں "معرّب ہو" کے بعد اضافہ کیا جائے :

"چین" کو عربی میں "صین" کہنا پڑتا ہے، اس لئے "چھوٹے" کو "صوطے" بننا ناگزیر ہے۔ "صوطے" سے "زوطے" (زوطی) ہو جانا آسان بات ہے۔

ص ۳۶/۲ | لفظ "ریشم کے کپڑوں" پر ایک حاشیہ بڑھائیں :

ـــــ صیمری (ورق ۱/ب) میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ خزاز تھے اور ان کی دکان کوفے میں دار عمرو بن الحریث میں معروف رہی ہے۔

ص ۳۶/۸ | لفظ "شعبی" کے بعد بڑھایا جائے :

(وفات ۱۰۳ھ)

ص ۳۶ / ۱۸ | لفظ "روزمرہ" پر ایک حاشیہ بڑھایا جائے :

سے سوال حیض کے متعلق تھا۔

ص ۳۸ / ۱۱ | لفظ "معاوضے" پر ایک حاشیہ بڑھائیں :

سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوے پر اُجرت (فیس) شروع ہوگئی تھی۔

ص ۳۸ / ۲ | لفظ "وفات تک" کے بعد بڑھائیں :

یعنی اٹھارہ سال تک

ص ۴۱ / حاشیہ ۱ | حاشیے کے آخر میں اضافہ کیا جائے :

صیمری (۳۸/ب تا ۳۹/الف) میں یہی چیز گورنر ابن ہُبَیرہ کی طرف منسوب ہے۔ ممکن ہے دونوں کو یہ بات پیش آئی ہو۔ اس کتاب میں (۴۲/الف تا ۴۳/الف) مکرر یہ واقعہ ایک گمنام گورنر کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

ص ۴۲ / حاشیہ (۱) | حاشیے کے آخر میں اضافہ کیا جائے :

ابن فضل اللہ العُمَری نے اپنی کتاب مسالک الابصار میں یہی واقعہ ابن اسحاق کی جگہ پولیس کمشنر حمید طوسی کی طرف منسوب کیا ہے جو غالباً صحیح تر ہے۔

ص ۴۶ / حاشیہ (۲) | حاشیے کے آخر میں اضافہ ہو :

صیمری (۲۷/ب) میں ابو مطیع کی جگہ نوبہ نامی شاگرد کا ذکر ہے۔ ممکن ہے دونوں کو یہی ہدایت کی ہو۔

☆ ص ۴۶ / حاشیہ (۳) | حاشیے کے آخر میں بڑھائیں :

مسعر اور عمر بن ذر کا اس سلسلے میں ذکر ہے اور ابن ذر کی خوش الحانی کی صراحت ہے۔

ص ۴۸ / ۹ | لفظ "عبداللہ بن مُبارک" پر ایک حاشیہ بڑھائیں :

سے موفق نے (اپنی کتاب کے باب ۳۳ میں) ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک

کی ماں خوارزمی تھی، اور باپ تُرکی تھا۔

ص ۴۸/حاشیہ (۲) | حاشیے کے آخر میں بڑھا ئیں :

صیمری کی مناقب ابی حنیفہ (مخطوطہ شہید علی پاشا، استانبول) میں یہ عجیب بات لکھی ہے کہ امام محمد شیبانی اصل میں امام ابوحنیفہ کے چچازاد بھائی کے بیٹے تھے : محمد بن الحسن بن عبداللہ بن طاؤس بن ھُرمُز، یہ آخرالذکر شیبانیوں کا بادشاہ تھا جو حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا، اور ابوحنیفہ بن النعمان بن ثابت بن طاؤس بن ھُرمُز۔ واللہ اعلم۔

ص ۴۹/حاشیہ (۲) | حاشیے کے آخر میں اضافہ کیا جائے :

صیمری (۳۵ب) کے ہاں صراحت ہے کہ اگر عافیہ اتفاق کر لیتے تو امام ابوحنیفہ کہتے : اسے لکھ لو، اور اگر اتفاق نہ کرتے تو ابوحنیفہ کہتے : اسے نوٹ نہ کرو۔

ص ۴۹/ ۱۳ | لفظ " لکھ لیتے " کے بعد اضافہ ہو :

اس کا ایک اچھا ثبوت شاید امام محمد شیبانی کی " کتاب الاصل " کے باب " کتاب السیر " میں مل سکتا ہے، یہ پورا باب علاً سوال جواب پر مشتمل ہے۔ خود امام محمد کا اپنا حصہ اس میں بہت کم ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانے میں سیر یعنی قانون بین الممالک کو مدون کرنے میں امام ابوحنیفہؒ کی اکاڈیمی مشغول تھی تو ایک رپورٹ پیش ہوئی۔ یہ باب اسی رپورٹ کی اساس پر مدوّن ہوا۔ چنانچہ نظر آتا ہے کہ سوال کا جواب امام ابوحنیفہؒ املا کراتے ہیں اور امام ابویوسف اسے قلمبند کرتے جاتے ہیں۔ اس سوال جواب کو آئندہ پھیلا کر کتابی صورت میں مرتب کرنے کی ضرورت تھی۔ اس ابتدائی خاکے کو کتاب الاصل کا باب بناتے ہوئے اس کو سیر صغیر کا نام دیا گیا ہے پھر بعد میں خود امام محمد شیبانی نے اسے پھیلا کر کتابی صورت دی تو اسے

سیر کبیر سے موسوم کیا۔ جو چیز ہویدا ہے اور مشاہدہ ہوتی ہے وہ چیز مورخوں
نے بھی بیان کی ہے۔

ص ۵۱/۴ | سطر کے آخر میں بڑھایا جائے :

طبقات الفقہاء طاش کبریٰ زادہ (مخطوطہ پارلیس) میں امام اوزاعی کے متعلق جنہوں
نے کام انفرادی طور پر کیا تھا، "چالیس پچاس ہزار مسائل کے استنباط" کرنے
کا ذکر ہے۔ ابن فضل اللہ العمری نے اپنی مسالک الابصار (مخطوطہ استانبول)
میں بھی یہی بیان کیا ہے۔ ابوحنیفہؒ نے ایک کمیٹی بنائی تھی، اور ایک کمیٹی کے
کام کو شاید فردی کام سے زیادہ ہی ہونا چاہیے۔

ص ۵۱/۹ تا ۱۳ | عبارت " اس پر ہمعصر . . . . دی جاتے " کی جگہ یوں پڑھا جائے :

اس کتاب السیر یعنی قانون بین الممالک کی تدوین کی وجہ بھی دلچسپ ہے اور
اس کا پتہ چلانے کا سہرا استاذ محترم مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم کے سر ہے :
بنی امیہ کے دور کے اواخر میں حکومت کا ظلم و استبداد حد سے بڑھ گیا تھا۔ اس
پر یہ سوال عوام میں پیدا ہوا کہ بے ہودگی اور ظلم پر آیا صبر کیا جائے، یا اصلاح
کی ساری پُرامن تدبیروں کے ناکام ہو جانے کے بعد مسلح بغاوت بھی کی جائے؟
دیگر ہمعصر ائمہ (مالک، اوزاعی وغیرہ) تو یہ خیال کرتے رہے بغاوت میں
مسلمانوں ہی کا خون بہے گا، لیکن امام ابوحنیفہؒ (نیز امام زید بن علی) نے
استنباط کیا کہ " مَن رأى منكم منكراً فليغيّره بيده ۔۔۔ الخ " یعنی
کوئی مسلم طور پر بُری بات نظر آئے تو اسے بزور بازو بدل کر درست کرنا
چاہیے وغیرہ۔ امام ابن حجر نے توالی التأسیس نامی امام شافعی کی سوانح عمری
میں لکھا ہے سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ نے ایک کتاب سیر (قانون بین الممالک)
پر لکھی (جس میں مذکورہ نظریہ بھی تھا)۔ اس کی تردید امام اوزاعی نے لکھی۔

امام ابوحنیفہؒ نے خود جواب الجواب لکھنے کی جگہ بہتر یہ سمجھا کہ ان کی شاگرد امام ابویوسف یہ کام انجام دیں، بعد ازاں امام شافعی کا زمانہ آیا تو انہوں نے ساری بحث پر تبصرہ کیا اور ابوحنیفہ اوزاعی اور ابویوسف کے بیانات کو یکے بعد دیگرے نقل کر کے وہ آخر میں اپنی رائے بھی دیتے گئے۔ ابن حجر نے یہ بیان کرنے کے بعد یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ امام شافعی کا یہ تفصیلی تبصرے کا رسالہ ان کی کتاب الاُم میں موجود ہے (اور واقعی ایسا ہی ہے۔ کتاب الاُم میں متعلقہ باب یعنی کتاب السِیَر میں جو حصہ "سیر الاوزاعی" کے عنوان سے ہے وہ اس قیمتی بحث پر حاوی ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ مولانا ابوالوفا الافغانیؒ مرحوم نے "الرد علی سیر الاوزاعی" کے نام سے امام ابویوسف کی جو کتاب شائع کی ہے وہ کوئی مستقل مخطوطے کا اڈیشن نہیں ہے، بلکہ کتاب الاُم کا حوالہ دیئے بغیر کتاب الام کا متعلقہ باب کچھ حاشی لگا کر چھاپ دیا ہے۔ کتاب الام ہی میں ایک سیر الواقدی بھی ہے۔ امام مالک نے بھی ایک کتاب السِیَر لکھی مگر وہ اب ناپید ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے لکچروں کو نوٹ کر کے سیر صغیر کے نام سے امام محمد شیبانیؒ نے اپنی کتاب الاصل میں شامل کیا پھر اس کو بعد میں مزید پھیلا کر سیر کبیر کے نام سے مرتب کیا جو اتنی ضخیم ہو گئی کہ اس کا ایک نسخہ خلیفہ ہارون رشید کو پیش کرنا چاہا تو اسے ایک گاڑی میں ڈال کر لے گئے۔ امام ابوحنیفہؒ کے دو اور شاگرد زُفر بن ہذیل اور ابراہیم الفزاری نے بھی کتاب السیر کے نام سے ——— تالیفیں کیں (فزاری کا مخطوط محفوظ ہے) اس طرح ابوحنیفہ کی وجہ سے ایک نیا علم ہی دنیا میں وجود میں آیا۔

اس میں شک نہیں کہ امام زید بن علی (فوت ۱۲۲ھ) کی کتاب المجموع میں بھی سِیَر پر ایک باب ہے لیکن مستقل کتاب نہیں ہے۔ ممکن ہے اصطلاح

"رہبر" ابوحنیفہؒ نے انھیں سے لی ہو۔ مگر اس قطع کلام کے بعد تدوین فقہ کی اکاڈیمی کا مزید حال بیان کریں۔

(ص ۴۷ ھ / ۷۰ ء کے مابین | سطر (۷) و (۸) کے مابین یہ اضافہ کیا جائے :

امام اعظم کی عظمت

حنفی مذہب کے پیرو اگر اپنے امام کو "امام اعظم" کہیں تو اسے اپنے امام سے عقیدت (یعنی جانبداری) کے باعث سمجھا جائے گا اور یہی اس لقب کی وجہ بھی نہیں ہے کہ آج ترک اور مغل سلاطین کی وجہ سے حنفی مذہب والے مسلمان دنیا میں سب سے زیادہ تعداد رکھتے ہیں۔

اگر اس حنفی شافعی، یا سنی شیعہ نفسیانیت کو برطرف رکھ کر خالص اسلامی بلکہ انسانی تاریخ کے نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو کبھی شافعی المذہب کی رائے میں بھی امام ابوحنیفہ واقعی امام اعظم کہلانے کے مستحق ہیں اور ان پر سارے مسلمان بلکہ سارے انسان فخر کر سکتے ہیں۔ حدیث کی ایک پیشگوئی کا بھی امام ابوحنیفہؒ پر اطلاق سمجھا جاتا ہے کہ ایرانیوں میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ اگر علم ثریا ستارے میں بھی ہو تو وہ اس کو پالیں گے۔

امام جعفر صادق، امام مالک، امام شافعی چاہے کتنے بھی ذہین اور فاضل کیوں نہ ہوں، ہمہ دان نہیں ہو سکتے۔ امام ابوحنیفہ بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن قانون ہمہ گیر ہوتا ہے: اس میں مردانہ مسئلے بھی ہوتے ہیں "زنانہ بھی" عبادات سے بحث ہوتی ہے تجارت سے بھی، زراعت و صنعت کے احکام بھی دیے ہوتے ہیں دستور مملکت اور جنگ و امن کے تعلقات خارجیہ کے بھی۔

ایسی ہمہ گیر ضرورتوں کے لئے اپنی انفرادی قابلیت کی جگہ ایک بڑی مجلس سے مدد لینا، استبداد کی جگہ مشورت پر بنا رکھنا، قانون سازی کو سرکاری

کام کی جگہ مصالح وقت سے آزاد اور سیاست سے باہر، عالم اور خدا ترس علماء کی بجی چیز بنا دیا۔ یہ ہے اصل۔ خدا کی ہزاروں رحمتیں ہوں اس امام پر جو خود تو اپنے کو احقر سمجھتا تھا لیکن جو امام اعظم کہلانے کا واقعی مستحق رہا ہے۔

ص ۶۵/۱۱ | لفظ "وغیرہ" پر ایک حاشیہ بڑھایا جائے :

ے "فلسفہ" اور جغرافیہ غیر عربی (یونانی) لفظ ہیں۔ علم الٰہیات کو عرب شروع میں اثولوجیا THEOLOGIA (انگریزی میں THEOLOGY) کہتے تھے۔ پھر ربوبیت اور بالآخر الٰہیات کہنے لگے۔ اسی طرح ریاضی کو پہلے MATHEMATICA (انگریزی میں MATHEMATICS) پھر تعلیم اور بالآخر ریاضی سے موسوم کیا گیا جیسا کہ پرانے عربی مخطوطوں میں نظر آتا ہے۔

ص ۶۷/حاشیہ | حاشیے کے آخر میں بڑھائیں :

اس کا تکملہ اس مقالے میں ہوا جو میں نے جامعۃ انقرہ میں پڑھا تھا اور جو بعد میں وہاں کے کلیۂ الٰہیات کے رسالے میں شائع ہوا۔ مثلاً میں نے بتایا کہ اور فرقوں کے علاوہ خود علم کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ مسلمان اسے فقہ (یعنی معرفت) کہتے ہیں تو رومی اسے شروع میں فاس (FAS) پھر یُس (JUS) کہنے لگے اور ان دونوں لفظوں کے معنی ہیں "حق"۔ عربی، فارسی، ترکی اور افغانستانی پشتو میں "علم حقوق" کی اصطلاح حال میں فرانسیسی لفظ "درو" (DROIT) سے لی گئی ہے، پرانے مسلمان اس سے ناواقف رہے ہیں اور علم حقوق سے مراد غیر اسلامی قوانین ہوتے ہیں۔

کتابیات

مضمون میں ہر جگہ حوالے دیئے گئے ہیں بطور خاص حسب ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے:

عربی

۱۔ مناقب ابی حنیفہ للصیمری (مخطوطہ استانبول۔ فوٹو در کتب خانہ احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن

۲۔ مناقب ابی حنیفہ للموفق
۳۔ مناقب ابی حنیفہ للکردری
} دونوں یکجا دو جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدر آباد نے چھاپے ہیں۔

۴۔ مناقب الامام وصاحبیہ للذہبی نشرۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد۔

۵۔ فتح المغیث للسخاوی۔

۶۔ المبسوط للسرخسی

اردو

۷۔ سیرۃ النعمان۔ مولفہ مولانا شبلی نعمانی

۸۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔
مولفہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی، کراچی سنہ ۱۹۴۹ء

انگریزی

۹۔ پوسٹ کا انگریزی مقدمہ گایوس کی لاطینی کتاب "مجموعہ قانون" پر

۱۰۔ ولسن کی انگریزی کتاب انگلو محمڈن لا۔

۱۱- شیلڈن آموس کی انگریزی کتاب "تاریخ و اصول قانون روما"

۱۲- ڈاکٹر حامد علی کا مضمون مدراس کے کلیہ قانون کے رسالہ میں "قانون روما کا اثر اسلامی اصول قانون پر"

۱۳- میرا مقالہ موتمر مستشرقین ہند کے اجلاس حیدرآباد (۱۹۴۱ء) میں انگریزی میں "رومی قانون کا اثر اسلامی قانون پر"

اطالوی ۱۴- رومی قانون اور اسلامی قانون کے تعلقات پر چند ملاحظات (مولفہ نالینو) اطالوی سے ترجمہ، رسالہ معارف اعظم گڈھ، جنوری ۱۹۵۳ء۔

فرانسیسی ۱۵- تدوین فقہ کا معمہ مولفہ بوسکے (فرانسیسی مضمون مطبوعہ REVUE ALGERIENNE جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۴۷ء)